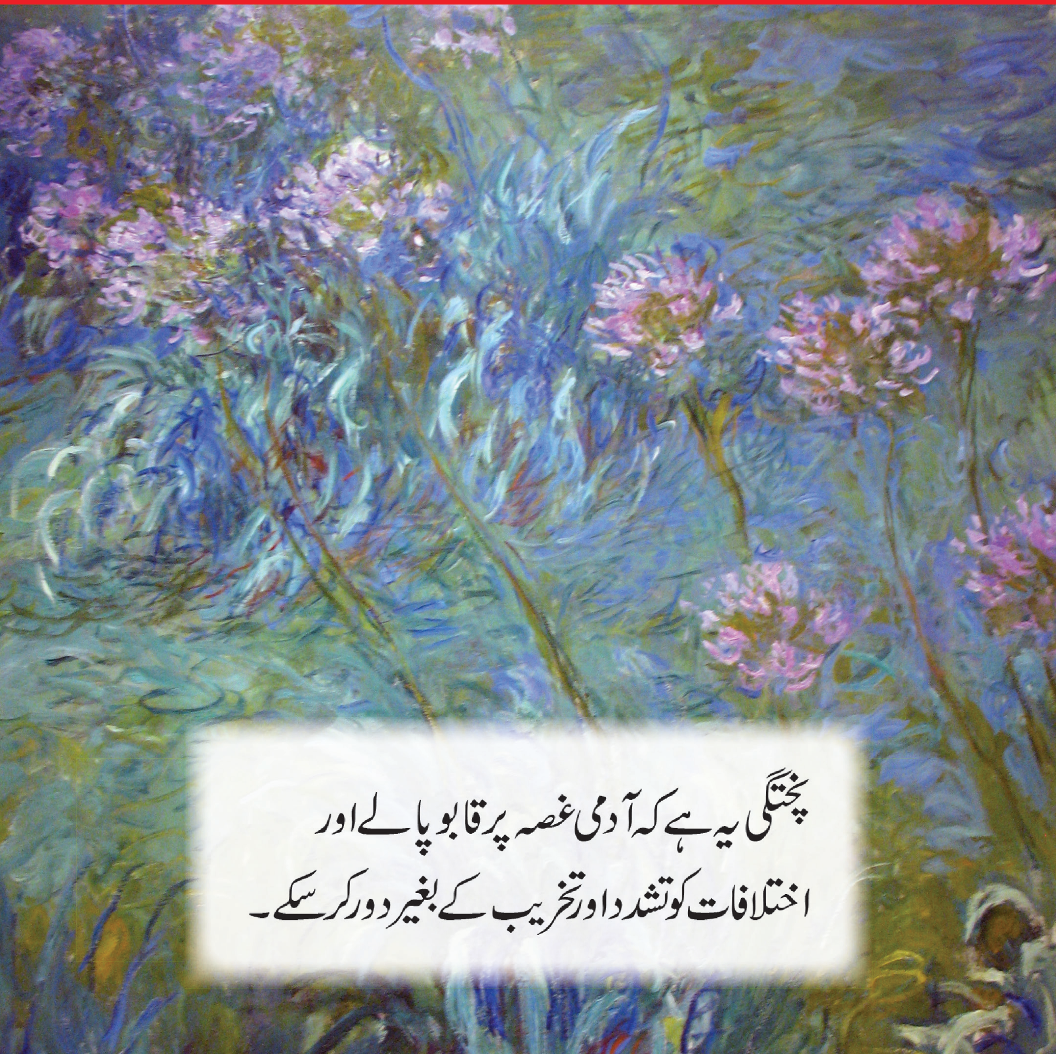
www.cpsglobal.org

الرسالہ

Al-Risala

February 2016 • No. 471 • Rs. 20



پختگی یہ ہے کہ آدمی غصہ پر قابو پالے اور
اختلافات کو تشدد اور تخریب کے بغیر دور کر سکے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ

جاری کردہ 1976

اردو اور انگریزی میں شائع ہونے والا
اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خاں
صدر اسلامی مرکز

Al-Risala Monthly
1, Nizamuddin West Market
New Delhi-110 013
Tel. 011-45760444
Mob. +91-8588822672, +91-8588822674
email: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

Subscription Rates
Single copy ₹20
One year ₹200
Two years ₹400
Three years ₹600
Abroad by Air Mail. One year $20

Printed and published by
Saniyasnain Khan on behalf of
Al-Markazul Islami, New Delhi.

Printed at Nice Printing Press,
7/10, Parwana Road,
Khureji Khas, Delhi-110 051
(Total Pages: 52)

فروری 2016

فہرست

ایمان کے بعد ایمان

قرآن میں اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے ایک آیت ان الفاظ میں آئی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا (النساء: 136) یعنی اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، ایمان لاؤ۔ اس آیت کے مطابق اہل ایمان سے یہ مطلوب ہے کہ وہ ایمان کے بعد دوبارہ ایمان لائیں۔ یہ ایمان کے بعد دوبارہ ایمان کیا ہے، اس کو سمجھنے کے لیے قرآن کی ایک اور آیت کا مطالعہ کیجیے۔ اس دوسری آیت کے الفاظ یہ ہیں: قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ (الحجرات: 14) یعنی اعراب (بدو) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، کہو کہ تم ایمان نہیں لائے۔ بلکہ یوں کہو کہ ہم نے اسلام قبول کیا، اور ابھی تک ایمان تمھارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

دونوں آیتوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے بعد ایمان کا مطلب یہ ہے کہ قولی ایمان کو داخل القلب ایمان بنایا جائے۔ کلمۂ ایمان کے تلفظ کو ایک ایسے کلمہ کے درجے تک پہنچایا جائے جو انسان کے لیے یقین اور شعوری بیداری کے ہم معنی بن جائے۔ ایک ایسا ایمان جو انسان کی سوچ میں اس طرح شامل ہوجائے کہ وہ اپنے ہر علم اور ہر تجربے کو حقیقتِ ایمانی میں ڈھال لے۔

یہ مقصد کس طرح حاصل ہوتا ہے۔ اس کا ذریعہ صرف ایک ہے، اور وہ تدبر (ص: 29) ہے۔ یعنی ایمان باللہ اور اس کے متعلقات پر برابر سوچتے رہنا، ہر معاملے کو اللہ کی ہدایت کی روشنی میں جانچتے رہنا، ہر صبح وشام اپنا بے لاگ محاسبہ کرتے رہنا، کائنات کی نشانیوں میں مسلسل طور پر غور کرتے رہنا، ہر مشاہدہ اور تجربہ سے رزقِ رب (طٰہٰ: 131) حاصل کرتے رہنا۔ اسی کا نام تدبر ہے۔ اور یہی تدبر اس بات کا ضامن ہے کہ کسی انسان کا قولی ایمان ایک داخل القلب ایمان بن جائے۔ اقرار کے درجے کا ایمان یقین کے درجے کا ایمان بن جائے۔

بصیرِ زمانہ

ایک طویل حدیث، ابوذر غفاری نے روایت کی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : وَعَلَى الْعَاقِلِ أَنْ يَكُونَ بَصِيرًا بِزَمَانِهِ (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر 361)۔ اور عاقل کو چاہیے کہ وہ اپنے زمانے کو جاننے والا ہو۔ اس حدیث میں عاقل سے مراد عاقل مومن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کے اندر یہ دانش مندی ہونا چاہیے کہ وہ اپنے زمانے سے پوری طرح باخبر ہو۔ اپنے زمانے سے بے خبر ہونا مومن کے لیے جائز نہیں ہے۔

بصیر زمانہ ہونے کا مقصد کیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مومن اپنے عمل کی صحیح منصوبہ بندی (right planning) کر سکے۔ زمانے سے باخبری کے بغیر اسلامی عمل کی صحیح منصوبہ بندی نہیں ہوسکتی ہے۔ اس بنا پر مومن کو یہ کوشش کرنا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات سے پوری طرح باخبر ہو، ورنہ اس کی سرگرمیاں بے نتیجہ ہو کر رہ جائیں گی۔

مثال کے طور پر مومن اگر ایسے زمانہ میں ہے جو امن کا زمانہ ہے۔ ایسے زمانے میں صرف پر امن منصوبہ بندی نتیجہ خیز ہوسکتی ہے۔ اگر مومن زمانے کے حالات سے بے خبر ہو، اور وہ امن کے زمانے میں جنگ کی تیاری کرے، اور پھر اپنے زمانے کے لوگوں کے خلاف لڑائی چھیڑ دے تو بلاشبہ اس کا منصوبہ غلط ہوجائے گا۔ اپنے جان و مال کو قربان کرنے کے باوجود وہ کوئی مثبت نتیجہ (positive result) حاصل نہ کر سکے گا۔

اسی طرح اگر مومن پرنٹنگ پریس کے زمانے میں ہے، اور وہ ہاتھ سے لکھی ہوئی کتابوں کی لائبریری بنا رہا ہے تو اس کا ایسا کرنا عملاً ایک ایسا کام ہوگا جس کا کوئی حقیقی نتیجہ نہیں۔ اسی طرح اگر مومن ایسے زمانے میں ہے جب کہ اظہارِ رائے کی آزادی ایک مسلمہ حق سمجھا جاتا ہے، اور وہ دوسروں کی اظہارِ رائے پر پابندی لگانے کا مطالبہ کرے تو یہ مطالبہ عملاً کبھی پورا نہ ہوگا۔ البتہ وہ معتدل ماحول ختم ہوجائے گا جس میں مومن کے لیے بھی اظہارِ رائے کی یکساں آزادی ہو۔

موافقِ اسلام دور

قرآن وحدیث میں کثرت سے ایسی پیشین گوئیوں کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں آنے والا دور، اسلام کے لیے ایک موافق دور بن جائے گا۔ یہ ممکن ہوجائے گا کہ اسلامی دعوت کا مشن موافق حالات میں انجام دیا جاسکے۔ اس سلسلے میں کچھ متعلق آیتیں اور حدیثیں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

1— ایک آیت قرآن میں تین مقام پر آئی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (التوبہ: 33، الفتح: 28، الصّف: 9) یعنی اسی نے اپنے رسول کو بھیجا ہے ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ اس کو سارے دین پر غالب کردے۔ اس آیت میں اظہار سے مراد سیاسی اظہار نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب دلائل وبراہین کے ذریعے اظہار۔ اِس اظہار سے مراد کوئی وقتی اظہار نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اور اصحابِ رسول کے ذریعے تاریخ میں ایک ایسا عمل (process) شروع ہوگا جو مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے اس انتہا تک پہنچے گا کہ دنیا میں حالات کے لحاظ سے ایک موافق اسلام دور آجائے۔ اہل اسلام کے لیے یہ موقع ہوگا کہ وہ حکیمانہ منصوبہ مندی کے ذریعے اللہ کے دین کو نظریاتی اعتبار سے ایک غالب دین بنادے۔

2— اس سلسلے میں قرآن کی ایک آیت یہ ہے: سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (فصلت: 53) یعنی عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں بھی اور خود ان کے اندر بھی۔ یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہوجائے گا کہ یہ قرآن حق ہے۔ قرآن کی اس آیت میں اُن علمی دلائل کا ذکر ہے جو سائنسی دور میں سامنے آئے۔ اور جو اسلام کے نظریات کو مسلمہ دلائل کے سطح پر ثابت کرنے والے ہیں۔

3۔ اسی طرح قرآن کی ایک آیت یہ ہے: سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا (الاسراء: 1) یعنی

پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا ہے، تاکہ ہم اس کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ قرآن کی اس آیت میں پیغمبر اسلام کے ایک واقعے کی صورت میں امت کے لیے اس مستقبل کی پیشگی خبر دی گئی ہے جب کہ دنیا میں ہوائی سفر کا دور آجائے گا، اور امتِ محمدی کے لیے یہ ممکن ہوجائے گا کہ وہ تیز رفتار سفر کے ذریعے ساری دنیا میں اللہ کا پیغام پہنچا دے۔

4— اسی طرح ایک لمبی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں: **ولیتمن اللہ ھذا الأمر حتی یسیر الراکب ما بین صنعاء إلی حضرموت، لا یخشی إلا اللہ** (مسند احمد، حدیث نمبر 21057) یعنی اللہ ضرور اس امر کو مکمل کرے گا یہاں تک کہ ایک مسافر صنعاء اور حضرموت کے درمیان سفر کرے گا، اور اس کو اللہ کے سوا کسی اور کا ڈر نہ ہوگا۔ اس حدیثِ رسول میں اس دور کی پیشگی خبر دی گئی ہے جب کہ دنیا میں مذہبی جبر (religious persecution) کا دور مکمل طور پر ختم ہوجائے گا، اور مذہبی آزادی (religious freedom) کا دور مکمل طور پر آجائے گا۔ اور یہ ممکن ہوجائے گا کہ کسی رکاوٹ کے بغیر اسلامی دعوت کا کام ساری دنیا میں بلاخوف کیا جاسکے۔

5— اسی طرح ایک حدیث میں امت کے لیے ایک واقعے کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:
فلم یقاتلوا بسلاح ولم یرموا بسھم قالوا لا إلہ إلا اللہ واللہ أکبر فیسقط أحد جانبیھا ثم یقولوا الثانیۃ لا إلہ إلا اللہ واللہ أکبر فیسقط جانبھا الآخر ثم یقولوا الثالثۃ لا إلہ إلا اللہ واللہ أکبر فَیُفَرَّجُ لھم فیدخلوھا ۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 2920) یعنی وہ کسی ہتھیار سے جنگ نہیں کریں گے، اور نہ کوئی تیر اندازی کریں گے، وہ صرف لا الہ الا اللہ، اور اللہ اکبر کہیں گے پس قلعے کے ایک جانب کی دیوار گر جائے گی، پھر وہ دوبارہ کہیں گے، لا الہ الا اللہ، اور اللہ اکبر تو دوسری سمت کی دیوار بھی گر جائے گی، پھر وہ تیسری مرتبہ کہیں گے، لا الہ الا اللہ، اور اللہ اکبر تو وہ ان کے لیے کھل جائے گا، پس وہ اُس میں داخل ہوجائیں گے۔

اس حدیث میں اُس آنے والے دور کو بتایا گیا ہے جب کہ پُرامن جدوجہد (peaceful activism)

ہر قسم کی کامیابی کے لیے کافی ہوگی۔

6— اسی طرح ایک حدیث رسول ان الفاظ میں آئی ہے: **إن الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر** (صحیح البخاری، حدیث نمبر 3062)۔ یعنی اللہ ضرور اس دین کی مدد فاجر انسان کے ذریعے سے کرے گا۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنے والے دور میں اسلام کے لیے موافق حالات اتنے عام ہو جائیں گے کہ سیکولر لوگوں کا عمل بھی اس کے حق میں تائید بن جائے گا۔

7— اس نوعیت کی ایک آیت فرعون کے ذیل میں اس طرح آئی ہے: فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً (یونس: 92) یعنی (اللہ نے فرعون سے کہا کہ) پس آج ہم تیرے بدن کو بچائیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے نشانی بنے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ بعد کے زمانے میں ایسی نشانیاں ظاہر ہوں گی جو قرآن کے بیانات کی تصدیق کرنے والی ہوں، انھیں میں سے ایک حضرت موسی کے زمانے کے فرعون کی لاش کی دریافت ہے۔ جو آج قاہرہ کے میوزیم میں موجود ہے۔

8— اسی طرح قرآن کی دو آیتیں ہیں: الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِنْ فُطُورٍ ○ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ○ (الملک: 3-4) قرآن کی یہ آیتیں ساتویں صدی عیسوی میں اتریں۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ خدا کی تخلیق میں کوئی فطور (flaw) نہیں ہے۔ بعد کی تحقیقات مسلسل طور پر اس قرآنی دعوے کی تصدیق کرتی جا رہی ہیں۔

اس طرح کے بیانات قرآن وحدیث میں کثرت سے موجود ہیں۔ یہ بیانات اسلام کی ابدیت کو بتاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی صداقت ہر دور میں نئے نئے دلائل کے ساتھ ظاہر ہوتی چلی جائے گی۔ اسلام ہمیشہ ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے باقی رہے گا۔ اسلام کے ساتھ نہ صرف اس کے پیروؤں کی بڑی تعداد موجود رہے گی، بلکہ نظری اعتبار سے اسلام ہمیشہ دلیل وحجت کی سطح پر قائم رہے گا۔ اسلام کی یہ حیثیت اسلام کے داعیوں کے لیے ایک بشارت ہے۔

سیاسی ایمپائر سے غیر سیاسی ایمپائر تک

کمیونی کیشن کے اعتبار سے تاریخ کے دو دور ہیں۔ ایک ہے اتصال قریب کا دور، اور دوسرا ہے الاتصال عن بُعد (telecommunication) کا دور۔ جدید کمیونی کیشن (modern communication) سے پہلے جسمانی ذریعے سے اتصال ہوا کرتا تھا۔ جدید کمیونی کیشن کے دور میں یہ ممکن ہو گیا ہے کہ جسمانی دوری کے باوجود بذریعہ آلات اتصالِ بعید کیا جا سکے۔ اتصالِ بعید کا یہ طریقہ اسلام جیسے دعوتی مشن کے لیے بے حد اہم حیثیت رکھتا ہے۔ اس دریافت کے بعد یہ ممکن ہو گیا کہ محلی دعوت کو عالمی دعوت کی صورت دی جا سکے۔ یہ تاریخی واقعہ اسلامی مشن کے لیے بے حد اہم تھا۔ اس لیے اس کو پیشگی طور پر پیغمبر کو ایک وقتی معجزہ کی صورت میں دکھایا گیا۔ اس معجزاتی واقعہ کو قرآن کی سورہ نمبر 17 میں اِسراء کہا گیا ہے۔

اسراء کا لفظی مطلب ہے رات کو سفر کرنا (to travel by night)۔ یہ لفظ عام طور پر تیز رفتار سفر کے لیے بولا جاتا ہے۔ بعد کے زمانے میں ایسی ٹکنالوجی دریافت ہونے والی تھی جس کے بعد دور کا سفر یا دور کی پیغام رسانی عمومی طور پر ممکن ہو جائے۔ اور اس طرح ایک انقلابی واقعہ ظہور میں آئے۔ وہ یہ کہ دعوتِ نبوت جو قدیم تاریخ میں ایک محلی دعوت کی حیثیت رکھتی تھی، وہ جدید ٹکنالوجی کے ذریعے ایک عالمی دعوت کی حیثیت اختیار کر لے۔ یہ واقعہ پیغمبرانہ مشن کی نسبت سے ایک انقلابی واقعہ تھا۔ یہ انقلابی واقعہ قدیم زمانے میں لوگوں کے لیے ایک ناقابل تصور واقعہ ہوسکتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالی نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک وقتی معجزہ کی صورت میں اس کا تجربہ کرایا جو بعد کے زمانے میں ایک عمومی واقعہ بننے والا تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس واقعہ کا تجربہ اس طرح کرایا گیا کہ ہجرت سے ایک سال پہلے 622 عیسوی میں ایک رات کو مکہ سے یروشلم تک کے سفر کا وہ واقعہ پیش آیا جس کو قرآن میں اسراء کہا گیا ہے۔ واضح ہو کہ مکہ سے یروشلم تک کی دوری تقریباً دو ہزار کلومیٹر ہے۔

اس سلسلے میں قرآن کی سورہ نمبر 17 میں یہ الفاظ آئے ہیں: سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا (الاسراء:1)۔ اس آیت میں لنریہ من آیاتنا میں من تبعیضیہ ہے۔ اس کا ترجمہ اردو مترجمین نے ''کچھ'' کے لفظ سے کیا ہے۔ اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے درست طور پر ان الفاظ کا فارسی ترجمہ اس طرح کیا ہے: تا بنمایم اش بعض نشانہائے خود (تاکہ ہم دکھائیں اس کو اپنی نشانیوں میں سے بعض)۔

قرآن کی تفسیر میں جس چیز کو شان نزول کی روایات کہا جاتا ہے، ان میں قیاساً تاریخ بھی شامل ہے۔ یعنی نزولِ قرآن کے وقت جو تاریخ تھی اس کے حوالے سے قرآن کی بعض آیات کو سمجھنا۔ اس اصول کے مطابق غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی اس آیت میں من آیاتنا سے مراد غالباً مستقبل کا وہ واقعہ ہے جو کمیونی کیشن بذریعہ ٹکنالوجی کی صورت میں بعد کو ظہور میں آنے والا تھا۔

ایک مثال

اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا، اسنا (ISNA) کی دعوت پر میرا ایک سفر امریکا کے لیے ہوا۔ 26 اگست 2015 کو دہلی سے روانگی ہوئی۔ تو دہلی سے ایرانڈیا کے ذریعے روانگی ہوئی۔ 9 ستمبر 2015 کو دہلی واپس پہنچا۔ یہ سفر ایک قافلے کی صورت میں تھا۔ اس میں دس آدمی شامل تھے۔ اس سفر کے دوران نیویارک، واشنگٹن، شکاگو، اور پنسلوانیا میں مختلف پروگرام ہوئے۔

اس سفر کے دوران ایک خاص تجربہ وہ تھا جو 4 ستمبر 2015 کو پیش آیا۔ شکاگو ایرپورٹ کے پاس ایک ادارہ ٹرکش امریکن سوسائٹی (Turkish American Society) کے نام سے قائم ہے۔ اس سینٹر کے ذمے دار مجھ کو وہاں لے گئے۔ تقریباً ایک دن وہاں ٹھہرنے کا موقع ملا۔ یہ ایک بڑا سینٹر ہے جو امریکا کے ترقیاتی معیار پر قائم کیا گیا ہے۔ یہ فتح اللہ گولن کی تعلیمی تحریک کے مرکز کے طور پر بنایا گیا ہے۔

فتح اللہ گولن کی تحریک ایک غیر سیاسی تحریک ہے۔ اس کے ممبروں کی تعداد تقریباً دو ملین ہے۔ یہ لوگ جدید اسٹینڈرڈ کے مطابق ساری دنیا میں انگریزی اسکول قائم کرتے ہیں۔ ان کے

اسکولوں اور تعلیمی مرکزوں کی تعداد مختلف ملکوں میں تقریباً ڈیڑھ ہزار ہے۔ یہ تعلیمی ادارے تقریباً ایک سو ساٹھ ملکوں میں قائم ہیں۔ امریکا میں ان کا جو اسکول ہے وہ امریکا کے دس اعلیٰ اسکولوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔

جدید ترکی کا میں عرصہ سے مطالعہ کر رہا ہوں۔ پہلی بار ترکی کے لیے میرا سفر مئی 2012 میں ہوا تھا۔ یہ سفر فتح اللہ گولن کے ادارہ کی دعوت پر ہوا تھا۔ دوسری بار امریکا کے سفر کے دوران جدید ترکی کے بارے میں مزید معلومات مجھے حاصل ہوئیں۔ اس مطالعے کا ایک پہلو وہ ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ فتح اللہ گولن صاحب اور ان کے ساتھیوں نے دورِ حاضر کے مواقع کو سمجھا، اور خاموش عمل کے ذریعے پوری دنیا میں اپنا ایک ایجوکیشنل ایمپائر قائم کر دیا۔

جو لوگ خلافتِ ترکی کے سقوط کو ملت کا ناقابلِ تلافی المیہ سمجھتے ہیں، ان کو معلوم نہیں کہ اس دنیا میں کوئی محرومی ناقابلِ تلافی محرومی نہیں ہوتی۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ترکی نے پولٹیکل ایمپائر کو کھویا، مگر اس کے بعد وہاں کے کچھ لوگوں نے زیادہ بڑے پیمانے پر ایجوکیشنل ایمپائر بنالیا۔ امریکا کے لیے میرا یہ سفر دو ہفتے کے لیے تھا۔ اس دو ہفتے کے دوران میری ٹیم کمیونی کیشن کے ذریعے عالمی سطح پر دعوتی کام کرتی رہی۔ میں نے سوچا کہ یہ بھی دعوہ ایمپائر کی مثال ہے۔ اس دعوہ ایمپائر کے امکانات اتنے زیادہ ہیں کہ یہ کہنا صحیح ہوگا:

Sky is the limit

قدیم زمانے میں کئی سیاسی ایمپائر بنائے گئے۔ ان میں سے ہر سیاسی ایمپائر محدود جغرافی حیثیت رکھتا تھا۔ مگر موجودہ زمانے میں کمیونی کیشن کی ترقی نے اس بات کو ممکن بنا دیا ہے کہ غیر سیاسی ایمپائر کو پوری دنیا میں قائم کیا جاسکے۔ حتی کہ اگر چاند اور مریخ پر انسان ہوں تو ماڈرن کمیونی کیشن کے ذریعے اس غیر سیاسی ایمپائر کا دائرہ وہاں تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ آج کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ مسلمان عصر حاضر کو سمجھیں، اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اپنے عمل کی منصوبہ بندی کریں۔ یہ وقت کی سب سے زیادہ اہم ضرورت ہے۔

دورِ جنگ کا خاتمہ

انسان کی تاریخ بظاہر جنگوں کی ایک تاریخ نظر آتی ہے۔ بیسویں صدی سے پہلے یہ جنگ ایک زمانی ضرورت ہوسکتی تھی مگر بیسویں صدی کے بعد انسانی زندگی میں جو انقلاب آیا ہے اُس کے بعد جنگ ایک غیر ضروری چیز بن چکی ہے۔ اب جنگ ایک قسم کا خلاف زمانہ فعل (anachronism) ہے۔ وہ سب کچھ جس کو حاصل کرنے کے نام پر پہلے جنگ کی جاتی تھی وہ اب جنگ کے بغیر زیادہ بہتر طور پر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ قدیم پُرتشدد ذرائع کے مقابلہ میں جدید پُرامن ذرائع کہیں زیادہ موثر اور نتیجہ خیز حیثیت رکھتے ہیں۔

قدیم زمانہ میں اتنی زیادہ جنگ کیوں ہوتی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حوصلہ مند لوگوں کو اپنے حوصلہ کی تسکین کے لیے اس کے سوا کوئی اور راستہ نظر نہیں آتا تھا کہ وہ لڑ کر اپنا مقصد حاصل کریں۔ وہ جنگ اس لیے کرتے تھے کہ اُن کے سامنے بظاہر جنگ کا کوئی متبادل (alternative) موجود نہ تھا۔

اصل یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں دو ایسی چیزیں موجود تھیں جو لوگوں کے لیے جنگ کو گویا ناگزیر بنائے ہوئے تھیں۔ ایک، خاندانی بادشاہت اور دوسرے، زرعی اقتصادیات۔

قدیم زمانہ میں ہزاروں سال سے خاندان پر مبنی بادشاہت (family rule) کا طریقہ چلا آرہا تھا۔ اس نظام کی بنا پر ایسا تھا کہ کسی سیاسی حوصلہ مند کے لیے اپنے سیاسی حوصلہ کی تسکین کی صرف ایک ہی صورت تھی۔ یہ کہ وہ موجود خاندانی حکمراں کو قتل یا معزول کرکے اُس کے تخت پر قبضہ کرلے۔ اس طرح ایک خاندان کے بعد دوسرے خاندان کی حکومت کا نظام ہزاروں سال تک دنیا میں چلتا رہا۔

موجودہ زمانہ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ تاریخ میں ایسے انقلابات پیش آئے جن کے نتیجہ میں خاندانی بادشاہت کا نظام ختم ہوگیا اور دنیا میں جمہوری حکمرانی کا نظام قائم ہوا۔ اب سیاسی حکمران دَوری انتخابات (periodical election) کے ذریعہ چُنے جانے لگے۔ اس طرح ہر آدمی کے لیے اپنے سیاسی حوصلہ کے نکاس (outlet) کا موقع مل گیا، ہر آدمی کے لیے یہ ممکن ہوگیا کہ وہ پُرامن ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے یہ کوشش کرے کہ وہ کسی بھی دوسرے شخص کی طرح مقرر

میعاد (term) کے لیے سیاسی اقتدار تک پہنچ جائے۔

دوسرا بنیادی فرق وہ ہے جو اقتصادیات کے میدان میں ہوا ہے۔ قدیم زمانہ میں ہزاروں سال سے ایسا تھا کہ اقتصادیات کا سارا انحصار زمین پر مبنی ہوتا تھا۔ جس کے پاس زمین ہے وہ صاحبِ مال ہے۔ اور جس کے پاس زمین نہیں وہ صاحبِ مال بھی نہیں۔ مزید یہ کہ قدیم سیاسی نظام کے تحت، زمین کا اصل مالک بادشاہ ہوتا تھا، یا وہ جس کو بادشاہ جاگیر یا عطیہ کے طور پر زمین دے دے۔

ایسی حالت میں کسی اقتصادی حوصلہ مند کو اپنے حوصلہ کی تکمیل کی ایک ہی صورت نظر آتی تھی۔ یہ کہ وہ مالک زمین سے لڑ کر اُس سے زمین کو چھینے اور اُس پر قابض ہو کر اپنے اقتصادی حوصلہ کی تسکین حاصل کرے۔ قدیم زمانہ میں اس اعتبار سے کسی آدمی کے لیے بظاہر صرف دو میں سے ایک کا انتخاب تھا۔ یا تو وہ مستقل غریبی پر قانع رہے یا جنگ کر کے زمین پر قبضہ حاصل کرے۔

موجودہ زمانہ میں اس پہلو سے ایک نیا واقعہ ظہور میں آیا ہے جس کو صنعتی انقلاب (industrial revolution) کہا جاتا ہے۔ اس جدید انقلاب نے صورت حال کو یکسر بدل دیا۔ اب ہزاروں بلکہ ان گنت ایسے نئے اقتصادی ذرائع وجود میں آگئے ہیں جن کو استعمال کر کے ہر آدمی بڑی سے بڑی کمائی کرسکتا ہے۔ زمین کا مالک بنے بغیر وہ دولت کا مالک بن سکتا ہے۔ یہ تبدیلی اتنی زیادہ بڑی ہے کہ اُس کو بجا طور پر معاشی انفجار (economic explosion) کہنا درست ہوگا۔

یہ تبدیلی اتنی بڑی ہے کہ اُس نے انسانی زندگی کے سیاسی اور معاشی نظام کو آخری حد تک بدل ڈالا ہے۔ جو کچھ پہلے بظاہر ناممکن تھا، وہ اب پوری طرح ممکن ہو چکا ہے۔ پہلے جو چیز صرف خیالی نظر آتی تھی، وہ اب واقعہ کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ سیاسی اور اقتصادی اجارہ داری (monopoly) کا دور ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

اس انقلابی تبدیلی کے بعد اب کسی کے لیے جنگ کا کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ کوئی شخص جس اقتصادی یا سیاسی مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے، اُس کو وہ جدید مواقع کو استعمال کرتے ہوئے، پُر امن طور پر حاصل کرسکتا ہے۔ ایسی حالت میں جنگ کرنے کی کیا ضرورت۔ اب جنگ اور تشدد کا طریقہ کسی آدمی کے لیے اپنی بے شعوری کا اعلان تو ہوسکتا ہے۔ مگر وہ کسی مقصد کے حصول کا کوئی نتیجہ خیز ذریعہ نہیں۔

منفی سوچ اسلام میں نہیں

ایک قوم کے اندر دوسری قوم کے خلاف منفی جذبات اُس وقت پیدا ہوتے ہیں، جب کہ پہلی قوم اپنی کسی مصیبت کا ذمّے دار دوسری قوم کو سمجھ لے۔ مگر اسلام میں اس قسم کی منفی سوچ کی قطعاً گنجایش نہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خدا نے قرآن میں حتمی طور پر اعلان کیا ہے کہ جو بھی مصیبت تمھارے اوپر آتی ہے وہ صرف تمھارے اپنے ہی کیے کا نتیجہ ہوتی ہے۔ (الشوریٰ:30) اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم کے مطابق، کوئی مصیبت پیش آنے پر صرف یہ کرنا ہے کہ ذاتی احتساب (self-introspection) کرکے اپنی جانب کی کوتاہی کو معلوم کیا جائے جو کہ اصل وجہ ہے۔ اور پھر اس کو درست کیا جائے۔ اِس کے برعکس، اپنی مصیبت کا ذمے دار کسی دوسرے کو قرار دے کر اس کے خلاف نفرت اور انتقام میں مبتلا ہونا، اسلام میں سرے سے جائز ہی نہیں۔

پیغمبرِ اسلام کی حدیثوں میں بھی یہ حقیقت مختلف انداز سے بیاں ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث یہ ہے: **لا زلتم منصورین علیٰ أعدائکم مادمتم متمسّکین بسنّتی، فان خرجتم عن سنتی سلّط اللہ علیکم من لا یخافکم ولا یرحکم، حتیّ تعودوا الیٰ سنّتی** (صحیح مسلم) یعنی تم اپنے دشمنوں پر اس وقت تک غالب رہوگے جب تک میری سنت کو پکڑے رہوگے۔ اور جب تم میری سنت سے نکل جاؤ گے تو اللہ تمھارے اوپر ایسے لوگوں کو مسلّط کردے گا جو نہ تم سے ڈرے گا، اور نہ تم پر رحم کرے گا یہاں تک کہ تم میری سنت کی طرف لوٹ آؤ۔

قرآن سے مزید معلوم ہوتا ہے کہ دشمن خود مسلمانوں کی اپنی غلطی کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ اس سے باہر، خارجی مسئلے کی حیثیت سے، دشمن کا کوئی وجود نہیں۔ قرآن کی ایک آیت میں بتایا گیا ہے: وان تصبروا وتتّقوا لا یضرّکم کیدھم شیئاً (آلِ عمران:120) یعنی اگر تم صبر کرو، اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی سازش تم کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہلِ ایمان کے لیے اصل مسئلہ، سازش کی موجودگی نہیں ہے بلکہ صبر اور تقویٰ کی غیر موجودگی ہے۔

اگر اہلِ ایمان کے اندر صبر اور تقویٰ کی صفت پائی جائے تو وہ پوری طرح دشمنوں کی سازش سے محفوظ رہیں گے۔ انھیں دوسروں کی طرف سے کوئی گزند پہنچنے والا نہیں۔

اِس اصول کی عملی مثال بھی قرآن میں واضح طور پر موجود ہے۔ ایک مثال غزوۂ اُحد کی ہے۔ پیغمبر اسلام کی ہجرت کے تیسرے سال غزوۂ احد پیش آیا۔ اِس غزوہ میں مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا۔ یہ غزوہ واضح طور پر پیغمبرِ اسلام کے مخالفین کی زیادتی کی بنا پر پیش آیا۔ اس کا ایک کھُلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ یہ غزوہ مدینہ کی سرحد پر ہوا۔ یعنی مخالفین اپنے وطن مکّہ سے تین سو میل کا فاصلہ طے کر کے جارحانہ طور پر مدینہ آئے اور مسلمانوں کے وطن پر حملہ کیا۔ لیکن قرآن میں جب غزوۂ احد پر تبصرہ کیا گیا تو اس میں مخالفین کے ظلم اور سازش کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا بلکہ یہ کہا گیا کہ مسلمانوں کی خود اپنی داخلی کوتاہی کے نتیجے میں یہ شدید نقصان انھیں بھُگتنا پڑا۔

غزوۂ احد کے بارے میں قرآن کا یہ تبصرہ، قرآن کی سورہ نمبر 3 میں اِس طرح آیا ہے: حَتَّىٰٓ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى ٱلْأَمْرِ (آل عمران :152)۔ یعنی جب تم کمزور پڑ گیے اور معاملے میں اپنے درمیان اختلاف کرلیا۔ قرآن کی اِس آیت میں واضح طور پر مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اُحد کی شکست اور نقصان کا ذمے دار وہ دوسروں کو قرار نہ دیں۔ بلکہ خود اپنے آپ کو اس کا ذمّے دار سمجھ کر اپنی اصلاح کریں۔

اس معاملے کو سمجھنے کے لیے خدا کے ایک اور قانون کو جاننا بہت ضروری ہے۔ اس قانون کا تعلق مخصوص طور پر اہلِ کتاب سے ہے۔ اس خدائی قانون کا اطلاق، پیغمبرِ اسلام کے ظہور سے پہلے، سابق اہلِ کتاب، یہود پر ہوا اور اب اس خدائی قانون کا تعلق مسلم امّت سے ہو گیا ہے جو کہ پیغمبرِ آخرالزماں کے ظہور کے بعد اہلِ کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اِس خدائی قانون کے تعلق سے یہود کے ساتھ جو معاملہ ہوا اس کا ذکر قرآن کی سورہ نمبر 17 میں اِس طرح آیا ہے: ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں بتا دیا تھا کہ تم دوبارہ زمین (شام) میں خرابی کروگے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔ پھر جب ان میں سے پہلا وعدہ آیا تو ہم نے تم پر اپنے بندے بھیجے۔ نہایت زور والے۔ وہ گھروں میں گھُس پڑے اور وعدہ پورا ہو کر رہا۔ پھر ہم نے تمھاری

باری ان پرلوٹادی اوراولاد سے تمہاری مدد کی اورتم کوزیادہ بڑی جماعت بنادیا۔اگرتم اچھا کروگےتو تم اپنے لیے اچھا کروگے اوراگرتم برا کروگےتب بھی اپنے لیے بُرا کروگے۔ پھر جب دوسرے وعدے کاوقت آیاتوہم نے بندے بھیجے کہ وہ تمہارے چہرے کو بگاڑ دیں اورمسجد(بیت المقدس) میں گھُس جائیں۔جس طرح اس میں پہلی بار گھُسے تھے، اورجس چیز پران کا زور چلے اس کو برباد کردیں۔ بعیدنہیں کہ تمہارارب تمہارے اوپر رحم کرے۔اوراگرتم پھروہی کروگےتو ہم بھی وہی کریں گے۔اورہم نےجہنم کومنکرین کے لیے قیدخانہ بنادیاہے۔(بنی اسرائیل: 8-4)

اس آیت میں یہود کی تاریخ کے دو ایسے واقعے کا ذکر ہے جب کہ غیر یہودی حکمراں نے یہودی قوم کے اوپر چڑھائی کرکے ان کوسخت تباہی سے دوچار کیا۔ پہلا واقعہ 586 قبل مسیح میں (عراق) کےغیر یہودی حکمراں نبوکدنضر (Nebuchadnezar) کے ذریعے پیش آیا، اوردوسرا واقعہ 70 عیسوی میں رومی بادشاہ تیتس (Titus) کے ذریعے۔مگر قرآن میں ان دونوں واقعات کو ظلم کا واقعہ نہیں بتایا گیا۔یعنی یہ نہیں کہا گیا کے فلاں ظالم حکمراں نے مظلوم یہودیوں کے اوپر متشددانہ کارروائی کی۔اس کے برعکس، ان واقعات کوخدا نے اپنی طرف منسوب کیا۔یعنی یہ کہ وہ خدا کے بندے تھے جوخدا کےمنصوبے کی تکمیل کے لیےفلسطین بھیجے گیے۔

قرآن اورحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کا معاملہ بھی وہی ہے جواس سے پہلے یہود کا معاملہ تھا۔یعنی ایسا ہوسکتا ہے کہ جب مسلمانوں میں بگاڑ آجائے توخدااپنے بندوں میں سے کسی بندے کے ذریعےمسلمانوں کےاوپرتنبیہی عذاب بھیجے۔ایسے وقت میں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس کو ظالم کاظلم نہ سمجھیں، بلکہ خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی تنبیہی سزا سمجھیں۔ایسے موقع پرمسلمانوں کو یہ کرنا چاہیے کہ وہ کسی کوظالم فرض کرکےاس کے خلاف نفرت اور تشدد کا سلسلہ شروع نہ کریں، ذاتی احتساب کے ذریعے اپنی اصلاح میں لگ جائیں۔

اسلام کےظہور کے بعدتقریباًایک ہزارسال تک مسلمانوں کے اندر ذاتی احتساب کی یہی سوچ غالب رہی۔ پرنٹنگ پریس اورمیڈیا کے دَور سے پہلے مسلمانوں کے لیے پڑھنے اورمطالعہ

کرنے کی چیز زیادہ تر قرآن اور حدیث ہوا کرتا تھا۔ اس لیے ان کی سوچ وہی بنتی تھی جو قرآن اور حدیث کی مذکورہ تعلیم کے مطابق ہو۔ ہر ایسے موقع پر وہ محاسبۂ خویش میں مبتلا ہو جاتے تھے نہ کہ دوسروں کو ملزم ٹھہرا کر ان کے خلاف نفرت اور انتقام کی باتیں کرنے لگیں۔ یہاں اس سلسلے میں پچھلی تاریخ کی دو مثالیں نقل کی جاتی ہیں۔

تیرھویں صدی میں یہ واقعہ ہوا کہ ترکستان کے پہاڑی علاقے میں بسنے والے جنگ جو تاتاری قبائل مسلم سلطنت کے حدود میں داخل ہوئے۔ انھوں نے سمرقند سے لے کر حلَب تک پورے علاقے کو تباہ کر دیا۔ ہر طرف آگ اور خون کے مناظر دکھائی دینے لگے۔ بظاہر یہ دوسروں کی طرف سے جارحیت کا معاملہ تھا مگر اس زمانے کے علماء نے اس معاملے میں وہ منفی انداز اختیار نہیں کیا جو موجودہ زمانے کے مسلم رہنما اس طرح کے معاملات میں عام طور پر اختیار کیے ہوئے ہیں۔

مشہور مسلم مؤرخ عزّالدین ابن الاثیر (وفات: 1232ء) تاتاری حادثے کے زمانے میں موجود تھے۔ انھوں نے خود ذاتی تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر اپنی کتاب ''الکامل فی التاریخ'' میں اِس واقعہ کی تفصیل بیان کی ہے۔ ابنُ الاثیر نے اس واقعے کی ہولناکی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''کون ہے جس کے لیے آسان ہو کہ اسلام اور مسلمانوں کی ہلاکت کی داستان لکھے۔ اور کون ہے جس کے لیے اس کا ذِکر آسان ہو۔ کاش میری ماں نے مجھے نہ جَنا ہوتا، اور کاش میں اس سے پہلے مر گیا ہوتا اور ختم ہو گیا ہوتا۔ اگر کوئی کہے کہ جب آدم پیدا کیے گیے، اس وقت سے لے کر اب تک ایسا حادثہ انسانیت پر نہیں آیا تو یقیناً وہ سچا ہوگا۔''

تاہم ابن الاثیر نے موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی طرح یہ نہیں کیا کہ وہ تاتاری حملہ آوروں کے خلاف نفرت اور انتقام کی بولی بولنے لگیں۔ اور ان کو مجرم قرار دے کر ان کو بددعائیں دیں۔ اِس کے برعکس ابن الاثیر نے جو کیا وہ یہ تھا کہ انھوں نے خود مسلمانوں کو اس حادثے کا سبب قرار دیا۔ انھوں نے لکھا کہ ایران کے مسلم حکمراں خوارزم شاہ نے تاتاری تاجروں کو قتل کروایا اور ان کے مال کو لوٹ لیا۔ یہ خبر جب تاتاری سردار چنگیز خاں کو پہنچی تو اس نے قسم کھا کر اعلان کیا

کہ وہ مسلم سلطنت کو تباہ کر کے رہے گا۔ چناں چہ اس نے غضب ناک ہو کر سمرقند کی طرف سے مسلم سلطنت پر حملہ کر دیا، جس کی تکمیل اس کے پوتے ہلاکو خاں نے کی۔ (ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 12، صفحہ 362)

دوسری مثال لیجیے۔ نادر خاں (وفات: 1747) ایران کا بادشاہ تھا۔ وہ ظلم اور سخت گیری کے لیے مشہور ہے۔ اس نے 1739 میں ہندستان پر حملہ کیا، اور پیش قدمی کرتا ہوا دلّی پہنچ گیا۔ اس نے دلّی میں فتح حاصل کرنے کے بعد یہاں قتلِ عام کروایا۔ اس کا اصل مقصد یہاں سونا چاندی لوٹنا تھا۔ چناں چہ اس نے یہی کیا۔ قتلِ عام کے بعد تختِ طاؤس اور کوہِ نور ہیرا اور دوسرے قیمتی اموال لے کر وہ اپنے وطن واپس چلا گیا۔

اِس سنگین واقعے پر بھی اُس وقت کے مسلم علماء کا ردِّ عمل موجودہ مسلمانوں جیسا نہیں تھا۔ بلکہ انھوں نے اس کو احتساب کے خانے میں ڈال دیا۔ اس زمانے کے ایک مشہور بزرگ مرزا مظہر جانِ جاناں (وفات: 1586ء) نے نادر خاں کے واقعے پر اپنا یہ تبصرہ کیا کہ نادر خاں نے جو کچھ کیا وہ نادر خاں کا ظلم نہ تھا بلکہ یہ خود ہمارے اعمال تھے جنھوں نے نادر خاں کی صورت اختیار کر لی:

شامتِ اعمالِ ما، صورتِ نادر گرفت

یہ صرف موجودہ زمانے کی بات ہے کہ مسلمانوں کے لکھنے اور بولنے والے مذکورہ قسم کے واقعات پر فوراً منفی ردّ عمل اختیار کر لیتے ہیں۔ آج کل مسلمانوں کے جس اخبار یا میگزین کو دیکھا جائے تو ہر ایک میں یہ ملے گا کہ مسلمانوں کے خلاف ہونے والے واقعات کو دوسری قوموں کے ظلم کے طور پر پیش کیا جا رہا ہوگا۔ اس قسم کی منفی رپورٹنگ اتنی عام ہے کہ اس میں غالباً کوئی استثناء نہیں۔

میرے تجربے کے مطابق، منفی رپورٹنگ کا یہ طریقہ زیادہ تر موجودہ زمانے میں پرنٹ میڈیا کا دَور آنے کے بعد شروع ہوا۔ جدید صحافت میں خبروں کی رپورٹنگ کا ایک خاص طریقہ ہے جس کو اُلٹا اَہرام (Inverted Pyramid) کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی واقعے کے نقطۂ انتہا سے خبر کی رپورٹنگ کا آغاز کرنا۔

مثلاً نئی دہلی میں دو آدمیوں کے درمیان ایک مالی معاملے میں جھگڑا ہو، وہ بڑھ کر دشمنی بن جائے اور پھر ان میں سے ایک آدمی دوسرے کو مارڈالنے کے درپے ہو جائے۔ وہ اس کا پیچھا کرنے لگے یہاں تک کہ ایک دن وہ اس کو ایک پارک میں تنہا پا جائے اور اس کو قتل کر دے۔ اِس واقعے کی خبر اگلے دن اخبار میں آئے تو ایسا نہیں ہوگا کہ کہانی کو اس کی واقعاتی ترتیب کے ساتھ بیان کیا جائے اور پھر آخر میں قتل کی بات لکھی جائے۔ اس کے برعکس خبر کا پہلا جملہ یہ ہوگا: نئی دہلی کے پارک میں قتل۔

واقعہ نگاری کا یہ طریقہ فطرت کے خلاف ہے۔ مثلاً قرآن جو کتابِ فطرت ہے اس میں واقعہ نگاری کی ایک مثال سورہ نمبر 12 میں ملتی ہے۔ اس سورہ میں پیغمبر یوسف کے حالات بتائے گیے ہیں۔ مگر اس میں جو اسلوب ہے وہ واقعے کی تاریخی ترتیب کے مطابق ہے۔ واقعہ نگاری کے اس اسلوب میں قاری کا ذہن وہی بنتا ہے جو فطری طور پر اس کا ذہن بننا چاہیے۔ اس کے برعکس مذکورہ صحافتی ترتیب میں قاری کا ذہن غیر فطری ہو جاتا ہے۔ اس کے ذہن میں واقعہ کا وہ نقشہ نہیں بنتا جو حقیقت کے اعتبار سے تاریخ کا نقشہ ہے۔

رپورٹنگ کے مذکورہ صحافتی طریقے کو دوسرے لفظوں میں اس طرح کہا جاسکتا ہے کہانی کے نصف ثانی کو نمایاں طور پر بیان کرنا، اور اس کے نصف اوّل کو یا تو غیر مذکور چھوڑ دینا یا اس کو ناقص صورت میں بیان کرنا۔ جدید رواج کے مطابق، مسلمانوں کی صحافت میں بھی یہی طریقہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اختیار کرلیا گیا۔ اور پھر وہ اتنا زیادہ عام ہوا کہ موجودہ پریس کے زمانے میں ہر لکھنے اور بولنے والا مسلمان اسی اصول پر لکھنے اور بولنے لگا۔ حالاں کہ یہ غیر فطری طریقہ، اسلام میں نہایت برا سمجھا گیا ہے اور اس کو تطفیف (المطففین: 1) کہا گیا ہے۔

رپورٹنگ کے اِس طریقے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارا مسلم میڈیا، منفی خبروں سے بھر گیا۔ یہی منفی خبریں ہیں جن کو پڑھ کر ساری دنیا کے مسلمانوں کا ذہن منفی بن گیا۔ اور یہی منفی ذہن ہے جو اپنے نقطۂ انتہاء پر پہنچ کر وہ خوف ناک تشدّد بن جاتا ہے، جس کو القاعدہ یا داعش (آئی ایس آئی ایس) یا

بوکوحرام، وغیرہ جیسے ناموں سے جانا جاتا ہے۔

اس معاملے کو سمجھنے کے لیے ایک مثال لیجیے 1967 میں اسرائیل اور مصر کے درمیان جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں مصر کو زبردست شکست ہوئی اور اسرائیل نے پیش قدمی کرکے اپنے رقبے کو بہت زیادہ بڑھالیا۔ اس واقعے پر عربی، فارسی، انگریزی اور اُردو زبان میں جو رپورٹیں چھپیں یا اس واقعے پر مسلمانوں کی جو کتابیں شائع ہوئیں ان سب میں متفقہ طور پر ایک ہی بات کہی گئی تھی، اور وہ یہ کہ اسرائیل نے مغربی قوموں سے سازش کرکے ظالمانہ طور پر مصر کے اوپر حملہ کیا اور فلسطین میں اپنی وسیع تر حکومت قائم کرلی۔ مگر واقعات بتاتے ہیں کہ یہ اصل کہانی کا صرف نصف آخر ہے۔ کہانی کا نصف اول اس میں شامل نہیں۔ کہانی کے نصف آخر کو سامنے رکھیے تو بظاہر یہ معلوم ہوگا کہ یہ اسرائیل کی طرف سے ایک ظلم کا واقعہ تھا۔ لیکن اگر کہانی کے نصف اول کو شامل کرکے غور کیا جائے تو برعکس طور پر یہ معلوم ہوگا کہ 1967 میں جو کچھ ہوا اس کی ذمے داری مکمل طور پر خود عربوں پر عائد ہوتی ہے۔ یہ خود عرب قیادت کا ایک نادان اقدام تھا جس کی قیمت اسے ذلّت اور بربادی کی شکل میں بھگتنی پڑی۔

1967 میں عربوں کے ساتھ جو المیہ پیش آیا اس پر پیغمبرِ اسلام کے یہ الفاظ پوری طرح صادق آتے ہیں: **لا ینبغی للمسلم أن یذلّ نفسه، قیل: و کیف یذل نفسه، قال: یتعرّض من البلاء لما لا یطیق** (مسند احمد، حدیث نمبر: 23444) یعنی کسی مسلم کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ خود اپنے آپ کو ذلیل کرے — پوچھا گیا کہ کوئی شخص خود اپنے آپ کو کیسے ذلیل کرے گا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ایک ایسی بَلا سے تعرض کرے جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔ 1967 کی جنگ میں عین یہی صورت پیش آئی۔

یہ قصہ نہر سوئز کی کہانی سے شروع ہوتا ہے۔ نہر سوئز کو مغربی کمپنیوں نے بنایا تھا۔ جو مکمل ہو کر نومبر 1869 میں جہاز رانی کے لیے کھولی گئی۔ نہر سوئز کا ٹھیکہ برطانیہ اور فرانس کی ایک مشترکہ کمپنی کو حاصل تھا۔ نہر سوئز برطانیہ اور فرانس کی مشترک کمپنی کو پٹے کے طور پر دی گئی تھی۔ یہ پٹہ (lease) 1968 میں ختم ہو رہا تھا۔ اس کے بعد حسب معاہدہ، نہر سوئز پوری طرح حکومت مصر کی

ملکیت میں آجاتی۔ پٹّے کے ختم ہونے سے پہلے بھی مصری حکومت اور مصری عوام کو اس کے ذریعے بہت سے مالی فائدے مل رہے تھے۔

مگر پٹّہ ختم ہونے سے پہلے مصر کے صدر جمال عبد الناصر (وفات: 1970) نے تمام عربوں کی تائید سے ایک اشتعال انگیز واقعہ کیا۔ 29 اکتوبر 1956 کو انھوں نے اچانک یہ اعلان کر دیا کہ آج ہم نے نہر سوئز کو نیشنلائز کر لیا۔ اور اب اس کی ساری آمدنی حکومتِ مصر کو حاصل ہوگی۔ (12/844)

جمال عبد الناصر کے اقدام پر سارا عرب رقص کر اٹھا۔ مگر برطانیہ اور فرانس کے لیے وہ ایک اشتعال انگیز واقعہ تھا۔ چناں چہ برطانیہ اور فرانس نے خفیہ طور پر اسرائیل کی بہت بڑی مدد کی۔ اور اس کے ذریعے مصر پر حملہ کرا دیا۔ اس حملے میں مصر کی فوجی طاقت کچل کر رہ گئی۔ اسرائیل نے مزید اطراف کے علاقوں پر قبضہ کر کے اپنے رقبے کو پانچ گُنا بڑھا لیا۔

جمال عبد الناصر اگر اِس معاملے میں 12 سال انتظار کرتے تو سوئز کمپنی معاہدے کے مطابق، اپنے آپ ختم ہو جاتی۔ مگر ان کے عاجلانہ اقدام نے مصر کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ اور اسرائیل کا رقبہ بہت زیادہ بڑھ گیا۔ جو چیز 1968 میں اپنے آپ مل جاتی اس کو 1956 میں پیشگی طور پر حاصل کرنے کی کوشش مصر کے حق میں الٹی ثابت ہوئی۔

اِس طرح اس کہانی کے دو حصے ہیں۔ اس کا ایک حصہ وہ ہے جو نہر سوئز کو غیر حکیمانہ طور پر قبضے میں لینے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کا دوسرا حصہ وہ ہے جو نہر سوئز پر غیر حکیمانہ قبضے کے بعد بطور ردّ عمل پیش آیا۔ اگر اس کہانی کے صرف نصف ثانی کو دیکھا جائے تو اسرائیل ظالم اور سرکش دکھائی دے گا۔ لیکن اگر اس کہانی کے نصف اول کو ملا اس معاملے کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو معلوم ہوگا کہ مصر اسرائیل جنگ کے بعد عربوں کے ساتھ جو بُری صورتِ حال پیش آئی وہ خود عربوں کی اپنی نادانی کا نتیجہ تھی۔ اِس معاملے میں عربوں کا کیس عمل کا کیس ہے اور اسرائیل کا کیس ردّ عمل کا کیس۔ اسرائیل کا مزید استحکام، دراصل خود عربوں کی اپنی ناعاقبت اندیشانہ پالیسی کی قیمت تھی جو انھوں نے

اَدا کی۔ مگر غلط رپورٹنگ کی بنا پر ایسا ہوا کہ تمام مسلمان، اسرائیل سے نفرت میں مبتلا ہو گیے۔ حالاں کہ اصل صورتِ حال کے مطابق، انھیں خود اپنے احتساب میں مصروف ہونا چاہیے تھا۔

ایک تقابلی مثال سے یہ معاملہ بخوبی طور پر سمجھ میں آسکتا ہے۔ یہ مثال وہ ہے جو ہانگ کانگ سے تعلق رکھتی ہے۔ برطانی استعمار کے زمانے میں انگریزوں نے ہانگ کانگ کو پٹّے پر 99 سال کے لیے لیا تھا۔ پٹّے کی یہ مدت 1997 میں ختم ہورہی تھی۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد برطانی ایمپائر کمزور ہوا تو چین نے ہانگ کانگ کی واپسی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ مگر چین نے اپنے آپ کو گفت وشنید کی حد تک محدود رکھا۔ اس نے کبھی اس معاملے میں یہ پروگرام نہیں بنایا کہ وہ ہانگ کانگ میں اپنی فوجیں داخل کرکے اس پر قبضہ کرلے۔ اگرچہ ہانگ کانگ کا جزیرہ چین سے ملا ہوا ہے۔ برطانوی حکومت سے چین کی یہ گفت وشنید جاری رہی۔ یہاں تک کہ 1997 میں جب پٹّے کی مدت پوری ہوئی تو ہانگ کانگ سے برطانیہ کا اقتدار بھی ختم ہو گیا۔ ہانگ کانگ اب چین کے باقاعدہ قبضے میں ہے۔

1967 کی جنگ میں، اسرائیل نے فلسطین، اردن، شام اور مصر کے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ عربوں (فلسطین، اردن، شام، مصر) نے اِس جنگ میں اپنا قیمتی علاقہ کھو دیا۔ مگر ٹھیک اسی قسم کی صورتِ حال میں ہانگ کانگ میں برعکس نتیجہ سامنے آیا۔ یہاں چین نے ایک قیمتی جزیرے کو اپنے علاقے میں شامل کرلیا۔ عربوں نے اپنی ناعاقبت اندیشانہ منصوبہ بندی کی قیمت ادا کی اور چین نے اپنی حقیقت پسندانہ منصوبہ بندی کی بنا پر قابلِ ذکر فتح حاصل کی۔

مذکورہ تفصیل بتاتی ہے کہ اسرائیل کا مسئلہ دراصل کسی کے ظلم یا سازش کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ وہ خود عربوں کی اپنی نادانیوں کا نتیجہ تھا۔ موجودہ زمانے کا متشددانہ جہاد سب سے زیادہ فلسطین کی زمین سے اُبھرا ہے۔ تمام عرب اور تمام مسلمان اس جہاد کو انصاف کی لڑائی سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ ایک غیر عاقلانہ اقدام کے نقصان کی تلافی، ایک اور غیر عاقلانہ اقدام سے کرنے کے ہم معنیٰ ہے۔ اس قسم کا ہر اقدام فطرت کے قانون کے خلاف ہے۔ خدا کی اس دنیا میں ایسا اقدام کبھی کامیاب ہونے والا نہیں۔

صبر کا فلسفہ

پیغمبرِ اسلام کی تعلیمات میں صبر (patience) کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن میں تقریباً ایک سو دس آیتیں ہیں جن میں صبر کے الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں تک کے صبر ہی پر کامیابی کا مدار رکھا گیا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہوا ہے کہ اے لوگو صبر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ (آل عمران: 200) اِسی طرح فرمایا کہ امامت یا لیڈر شپ میں کامیابی کا راز صبر ہے۔ (السجدہ: 24)

اِسی حقیقت کو پیغمبرِ اسلام نے اپنی ایک لمبی حدیث میں اِن الفاظ میں بیان کیا: اِعلم أنّ النصّر مع الصبر (مسند احمد، حدیث نمبر: 2803) یعنی جان لو کہ کامیابی صبر کے ساتھ جُڑی ہوئی ہے۔ صبر نہیں تو کامیابی نہیں۔ کامیابی کا درخت ہمیشہ صبر کی زمین پر اُگتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ دنیا کے تمام پیسفسٹ (pacifist) یا پیس فل ایکٹیوسٹ (peaceful activist) اپنے نشانے کو حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ اِس کا مشترک سبب یہ ہے کہ انہوں نے امن کو دریافت کیا مگر وہ صبر کو دریافت نہ کر سکے۔ حالاں کہ صابرانہ روش کے بغیر پُرامن تحریک کو چلانا ممکن نہیں۔

عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ لوگ کسی کو اپنا دشمن قرار دیتے ہیں اور اس کے بعد پیس فُل ایکٹوزم کے اصول پر اس کے خلاف تحریک چلاتے ہیں۔ کسی گروہ کے مقابلے میں پیس فل ایکٹوزم کے اصول پر تحریک چلانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے دل میں اس کے خلاف منفی جذبات نہ ہوں، اس کے مقابلے میں آپ مکمل طور پر مثبت نفسیات کے حامل ہوں۔ یہی واحد بنیاد ہے جس کے اوپر پیس فل ایکٹوزم کی سرگرمیاں جاری ہوسکتی ہیں۔ مَدِّ مقابل گروہ کے لیے آپ کے دل میں اگر مثبت جذبات نہ ہوں تو آپ کبھی اپنے پُرامن مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

عملاً یہ ہوتا ہے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ کے مقابلے میں پُرامن طریقِ کار کی بنیاد پر ایک تحریک اُٹھاتا ہے۔ لیکن فریقِ ثانی کی مفروضہ یا غیر مفروضہ زیادتیوں کا احساس فریقِ اوّل کے خلاف اس کے دل میں نفرت ڈال دیتا ہے۔ یہ نفرت دھیرے دھیرے تشدّد کی صورت اختیار کر

لیتی ہے، اور اگر تشدد کے ذریعے مطلوب کامیابی نہ مل رہی ہو تو فریقِ اوّل کے دل میں فریقِ ثانی کے خلاف نفرت کا طوفان اس کو اِس حد تک لے جاتا ہے کہ اس کے خلاف ہر ممکن تخریبی کارروائی شروع کردے، یہاں تک کہ اس کو مٹانے کے لیے اُس قسم کی بھیانک کارروائی کرنے لگے جس کو موجودہ زمانے میں خودکش بمباری (suicide bombing) کہا جاتا ہے۔

پیس فل ایکٹوزم کے سلسلے میں یہ بات غالباً پوری تاریخ میں صرف پیغمبرِ اسلام کی زندگی میں ملتی ہے۔ دوسرے مصلحین کی طرح ان کو بھی فریقِ ثانی کی طرف سے سخت قسم کی زیادتیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر آپ نے کبھی اُن کے خلاف نفرت کی زبان استعمال نہیں کی۔ اپنے ساتھیوں کو بھی آپ ہمیشہ نفرت کے احساس سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ آپ کی زندگی میں اِس طرح کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔ مثال کے طور پر مکّہ میں پیغمبرِ اسلام کے ساتھیوں کا ایک خاندان تھا، جس کو آلِ یاسر کہا جاتا تھا۔ یہ ایک کمزور خاندان تھا۔ چناں چہ آپ کے طاقت ور مخالفین نے اُنھیں مارنا پیٹنا شروع کیا اور کہا کہ پیغمبر کا ساتھ چھوڑ دو۔ پیغمبرِ اسلام نے اِس منظر کو دیکھا تو آپ نے زیادتی کرنے والوں کے خلاف کوئی نفرت کا کلمہ نہیں کہا بلکہ آپ نے ان سے صرف یہ فرمایا: **صبرًا آلَ یاسر فإن موعدکم الجنة** (سیرت ابنِ ہشام، 1/320) یعنی اے آلِ یاسر صبر کرو، کیوں کہ تمھارے لیے جنت کا وعدہ ہے۔

جنّت کو صبر کا انعام بتا کر آپ نے اپنے ساتھیوں کو اس کے لیے آمادہ کیا کہ وہ کسی بھی زیادتی پر مشتعل نہ ہوں۔ وہ کسی بھی حال میں فریقِ ثانی کے خلاف اپنے دل میں منفی جذبات کی پرورش نہ کریں۔

یہ پیغمبرِ اسلام کی پالیسی کا نہایت اہم پہلو تھا جس کو آپ نے خدا کی رہنمائی کے مطابق اختیار کیا۔ یعنی مخالفوں کی ہر زیادتی پَر صبر کرنا۔ قرآن میں اِس سلسلے میں واضح ہدایات دی گئی ہیں، مثلاً قرآن میں پیغمبر کی زبان میں فرمایا: **ولنصبرنّ علیٰ ما آذیتمونا** (ابراہیم: 12) یعنی ہم تمھاری ایذاؤں پر صرف صبر ہی کریں گے۔ یہ صبر کوئی سادہ بات نہ تھی۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ فریقِ ثانی کی ظالمانہ کارروائی کے باوجود مثبت سوچ پر قائم رہنا، اپنے آپ کو اِس سے بچانا کہ اپنے ذہن میں فریقِ ثانی

کی منفی تصویر بن جائے۔ کیوں کے فریقِ اوّل کے دل میں اگر فریقِ ثانی کی منفی تصویر بن جائے تو فریقِ اوّل کبھی فریقِ ثانی کے درمیان پُرامن طریقِ کار کے اصول پر قائم نہیں رہ سکتا۔ صبر کا اصول فریقِ اوّل کو اِس سے بچاتا ہے کہ اس کا ذہن فریقِ ثانی کے بارے میں غیر معتدل ہو جائے۔ پُرامن طریقِ کار (peaceful activism) معتدل ذہن کا اظہار ہے۔ غیر معتدل یا منفی ذہن کبھی پُرامن طریقِ کار کو کامیابی کے ساتھ جاری نہیں رکھ سکتا۔ صبر کا اصول دراصل اِسی اعتدال یا مثبت مزاج کی برقراری کی ایک یقینی گارنٹی ہے۔

پیغمبرِ اسلام کی زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ آپ کے ساتھ مخاطب گروہ کی طرف سے مسلسل زیادتیاں کی گئیں، لیکن آپ ہمیشہ سختی کے ساتھ صبر کے اصول پر قائم رہے۔ اور اپنے ساتھیوں کو اِسی کی تلقین کی۔ آپ کی مجلسوں میں کبھی ایسا نہیں ہوتا تھا کہ مخالفین کے ظلم کا چرچا کیا جائے۔ آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ مخالفین کے ظلم کے حوالے سے ان کے خلاف بددعائیں کریں۔ اِس کے برعکس آپ ہمیشہ ظلم کرنے والوں کے خلاف اچھی دعا کرتے تھے۔ آپ نے اپنے مخالفوں کو کبھی کافر یا دشمن نہیں کہا، بلکہ ہمیشہ ان کے بارے میں انسان کا لفظ بولتے رہے۔ اِس معاملے کی ایک انتہائی مثال یہ ہے کہ ایک بار آپ کے مخالفوں نے پتھر مار کر آپ کو زخمی کر دیا، اُس وقت آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: **اللھم اھدِ قومی، فإنّھم لا یعلمون**۔ (شعب الایمان للبیہقی: 2/622) خدایا! میری قوم کو ہدایت دے، کیوں کہ وہ جانتے نہیں۔

یک طرفہ صبر اور خیر خواہی کا طریقہ جو آپ نے عرب میں اختیار فرمایا، وہ اِسی لیے تھا کہ فریقِ ثانی کے بارے میں آپ، یا آپ کے ساتھیوں کے دل میں شکایت اور نفرت کی نفسیات پیدا نہ ہونے پائے۔ کیوں کہ جو ذہن شکایت اور نفرت لیے ہوئے ہو، وہ اصلاح کا کام درست طور پر نہیں کر سکتا۔

عقل مند آدمی وہ ہے جو ان چیزوں کے ساتھ پر امن طور پر رہ سکے جن کو وہ بدل نہیں سکتا۔

حمد کلچر

قرآن کی ایک آیت یہ ہے: الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الفاتحۃ:2) یعنی ساری حمد اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ یہ آیت دنیا کی زندگی میں اہلِ ایمان کے روز وشب کا حال بتاتی ہے۔ اہلِ جنت جب آخرت میں پہنچیں گے اور جنت میں داخل کردئے جائیں گے تو وہاں ان کا مشغلہ کیا ہوگا، اس کے بارے میں قرآن میں یہ الفاظ آئے ہیں: وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (یونس: 10) یعنی وہاں ان کی آخری بات یہ ہوگی کہ ساری تعریف اللہ کے لیے ہے جو رب ہے سارے جہان کا۔ اہلِ جنت کا ایک اور قول ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (الفاطر: 34) یعنی شکر ہے اللہ کا جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا۔

ان آیتوں پر غور کیجئے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ جنت دنیا میں کس طرح زندگی گزاریں گے۔ اور پھر آخرت میں ان کو کس قسم کی زندگی حاصل ہوگی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں بھی ان کی زندگی، حمدِ رب کی زندگی ہوگی، اور آخرت میں بھی ان کے صبح وشام رب العالمین کی حمد میں گزریں گے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا میں انھوں نے حمدِ رب کی زندگی دارالکبد (البلد: 4) میں گزاری ہوگی، آخرت میں ان کو یہ موقع ملے گا کہ وہ حزَن سے خالی دنیا (الفاطر: 34) میں اعلی معیاری درجے میں حمدِ رب کی توفیق پائیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں داخلے کی قیمت کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو ذہنی طور پر اتنا ارتقا یافتہ بنائے کہ وہ حزَن اور کبد کے حالات میں بھی اعلی معرفت کی سطح پر زندگی گزارے۔

گویا کہ انسان سے جو چیز اصلاً مطلوب ہے، وہ حمد رب ہے۔ دنیا میں بھی حمد، آخرت میں بھی حمد۔ ایسا کیوں ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان اپنے پورے وجود کے ساتھ اللہ کی رحمت (blessing) کا نتیجہ ہے۔ پھر پیدا ہونے کے بعد جس دنیا میں وہ زندگی گزارتا ہے، وہ پوری کی پوری رحمتوں کی دنیا ہے۔ ایسی حالت میں انسان کے لیے واحد طرزِ زندگی صرف یہ ہے کہ وہ ہر لمحہ اس حقیقت کو یاد رکھے، وہ ہر موقع (occasion) پر اللہ کی بے پایاں رحمت کا اعتراف کرے۔ اس کی شعوری بیداری اس درجہ تک پہنچ

جائے کہ ہر چیز سے اس کو حمد خداوندی کا رزق ملنے لگے۔ یہ حالت ایک اعتبار سے دنیا میں اللہ رب العالمین کا اعتراف ہے۔ یہ اس فطری تقاضے کو پورا کرنا ہے جو تخلیق کے اعتبار سے انسان کے اندر ہونا چاہیے۔ یہی انسان وہ ہے جس نے دنیا میں سچا انسان بن کر زندگی گزاری۔

دنیا میں اس طرح زندگی گزارنے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہی سچا انسان وہ انسان ہے جس کو آخرت کی جنت میں وہ درجہ ملے گا جس کو قرآن میں ان الفاظ بیان کیا گیا ہے: فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ (القمر: 55) یعنی وہ بیٹھے ہوں گے سچی بیٹھک میں، قدرت والے بادشاہ کے پاس۔ دنیا میں جو لوگ سچائی کی زندگی گزاریں، ان کو اس کا یہ انعام ملے گا کہ وہ آخرت میں سچائی کی سیٹ (seat of truth) پر بیٹھنے کا اعزاز حاصل کریں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے لیے زندگی کا سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ معرفت خداوندی میں زندگی گزارے۔ وہ اپنی زندگی کے لمحات اس طرح گزارے کہ وہ مسلسل طور پر اللہ کی نشانیوں کو دریافت کررہا ہو۔ آلاء اللہ (wonders of God) بلاشبہ کائنات کی سب سے بڑی چیزیں ہیں۔ سچا انسان وہ ہے جو دنیا کی زندگی میں الاء اللہ میں جیے۔ اور آخرت میں وہ زیادہ اعلیٰ صورت میں الاء اللہ اور حمد الٰہی میں جینے کا مرتبہ پائے۔ قرآن کی ایک آیت یہ ہے: أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد: 28) اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے لیے سب سے زیادہ لذیذ لمحہ (joyous moment) وہ ہے، جب کہ وہ اپنے رب کی قربت حاصل کرے، جب کہ وہ کائنات میں تخلیق کی معنویت کو دریافت کرے، جب کہ اس کا اعلیٰ تصور اس کو فرشتوں کا ہم نشین بنادے، جب کہ وہ اعلیٰ معرفت کا شعوری تجربہ حاصل کرے، جب کہ وہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے جنت کی معرفت حاصل کرلے۔

یہی انسان کی حقیقی زندگی ہے۔ یہ زندگی ایک سچے انسان کو دنیا میں ابتدائی طور پر حاصل ہوتی ہے، اور آخرت کی جنت میں یہی زندگی اس کو اپنی اعلیٰ صورت میں حاصل ہوگی۔ گویا کہ سچا انسان وہ ہے جو اسی دنیا میں اللہ رب العالمین کے پڑوس میں جینے لگے، یہی وہ زندگی ہے، جو جنت میں اس کو زیادہ اعلیٰ درجے میں حاصل ہوگی۔

پیغمبرِ امن

(The Prophet of Peace)

پیغمبرِ اسلام محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب کے متعلق مؤرخین نے عام طور پر اعتراف کیا ہے کہ اُنھوں نے اپنی زندگی میں اعلیٰ ترین کامیابی حاصل کی۔ مثال کے طور پر برٹش مؤرخ گبن (Edward Gibbon) پیدائش 1737 وفات 1794 نے اپنی کتاب ''روما کا عروج وزوال'' میں (*The History of the Decline and Fall of the Roman Empire*) پیغمبرِ اسلام محمد بن عبد اللہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے لائے ہوئے انقلاب کو تاریخ کا سب سے زیادہ قابلِ ذکر واقعہ بتایا ہے:

The rise and expansion of Islam was one of the most memorable revolutions which has impressed a new and lasting character on the nations of the globe.

ایم۔ این۔ رائے (1887-1954) ایک انڈین لیڈر تھے۔ ان کی کتاب ہسٹاریکل رول آف اسلام (*The Historical Role of Islam*) پہلی بار دہلی سے 1939 میں چھپی۔ اِس کتاب میں وہ لکھتے ہیں: محمد کو تمام پیغمبروں میں سب سے بڑا پیغمبر ماننا چاہیے۔ اسلام کی توسیع تمام معجزوں سے زیادہ بڑا معجزہ ہے:

Mohammad must be recognised as by far the greatest of all prophets, the expansion of Islam is the most miraculous of all miracles. (p.4)

امریکا کے ڈاکٹر مائیکل ہارٹ (Michael H. Hart) کی کتاب ''دی ہنڈریڈ'' (The 100: *A Ranking of the Most Influential Persons in History*) نیویارک سے 1978 میں چھپی۔ اس کتاب میں انھوں نے پوری انسانی تاریخ سے ایک سَو ایسے افراد کی فہرست بنائی ہے جنھوں نے اُن کے مطابق، اعلیٰ کامیابیاں حاصل کیں۔ اس فہرست میں انھوں نے ٹاپ پَر پیغمبرِ اسلام محمد بن عبد اللہ کو رکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ: وہ تاریخ کے تنہا شخص ہیں

جو انتہائی حد تک کامیاب رہے، مذہبی سطح پر بھی اور دینوی سطح پر بھی:

He was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels.

پیغمبرِ اسلام کی اِس عظیم کامیابی کا راز کیا تھا۔ اِس کا راز ایک لفظ میں امن تھا۔ یہ کہنا غالباً صحیح ہوگا کہ پیغمبرِ اسلام تاریخ کے سب سے بڑے پیسفسٹ (pacifist) تھے۔ انہوں نے پُر امن طریقہ (peaceful means) کو ایک ناقابلِ تسخیر طاقت کے طور پر استعمال کیا۔ اِس سلسلے میں قرآن میں آپ کو یہ اصولی ہدایت دی گئی۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے: الصُّلح خیر (النساء:128) یعنی نزاعی معاملات میں پُر امن تصفیے کا طریقہ زیادہ نتیجہ خیز طریقہ ہے:

The peaceful method is a far more effective method.

اسی طرح خود پیغمبر اسلام نے فرمایا: إنّ اللہ یعطی علی الرِّفق مالا یعطی علی العُنف (صحیح مسلم، حدیث نمبر 2593) یعنی خدا نرمی پر وہ چیز دیتا ہے جو وہ سختی پر نہیں دیتا:

God grants to peace what He dose not grant to violence.

پیغمبرِ اسلام محمد بن عبداللہ کی زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ آپ نے امن کو ایک مکمل آئیڈیالوجی کے طور پر دریافت کیا۔ آپ نے امن کو ایک ایسے طریقۂ کار کے طور پر دریافت کیا جو ہر صورتِ حال کے لیے موثّر ترین تدبیر کی حیثیت رکھتا تھا۔

ایک مفکّر نے لکھا ہے کہ ”تاریخ کے تمام انقلابات صرف حکمرانوں کی تبدیلی (coup) تھے، وہ حقیقی معنوں میں انقلاب نہ تھے“۔ یہ بات اگر صحیح ہو تو پیغمبر اسلام محمد بن عبداللہ کا نام اِس معاملے میں ایک استثناء مانا جائے گا۔ کیوں کہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپ کے لائے ہوئے انقلاب کے ذریعے وہ تمام انفرادی، سماجی اور سیاسی تبدیلیاں وقوع میں آئیں، جن کے مجموعے کو انقلاب (revolution) کہا جاتا ہے۔

راقم الحروف کا احساس اپنے مطالعے کی بنیاد پر یہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام کا انسانی تاریخ میں جو کنٹری بیوشن (contribution) ہے، اُس کے لحاظ سے اُن کا سب سے زیادہ موزوں نام یہی ہو سکتا ہے کہ اُن کو امن کا پیغمبر (Prophet of Peace) کہا جائے۔

تاریخ ایک ایسا ڈسپلن ہے جس میں یہ امکان رہتا ہے کہ مطالعہ کرنے والا ایک سے زیادہ رایوں تک پہنچ جائے۔ تاہم مصنف کا یہ خیال ہے کہ ایسا زیادہ تر محدود مطالعے کی بنا پر ہوتا ہے۔ اگر مطالعہ زیادہ وسیع اور جامع ہو تو تعدّدِ آراء کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے۔

ایک مثال سے اِس کی وضاحت ہوگی۔ پیغمبرِ اسلام کی زندگی میں کچھ دفاعی لڑائیاں پیش آئیں۔ اِن میں سے ایک دفاعی لڑائی وہ تھی جس کو جنگِ بدر کہا جاتا ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ جس وقت جنگ کا واقعہ ہُوا، پیغمبرِ اسلام میدانِ جنگ سے باہر ایک عَریش میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اپنے ہاتھ یا لکڑی سے آپ ریت پر کچھ لکیریں کھینچتے ہوئے نظر آئے۔ اِس واقعے کو لے کر ایک مستشرق نے بطورِ خود اس کو جنگ سے منسوب کیا، اور لکھا کہ ”قائدِ اسلام اُس وقت اپنی اگلی جنگ کے نقشہ کا منصوبہ بنا رہے تھے“:

The leader of Islam was making his next war plan.

مستشرق نے یہ بات کسی حوالے کے بغیر صرف اپنے قیاس کی بنیاد پر لکھ دی۔ حالاں کہ دوسری روایات میں دیکھا جائے تو خود روایت کی بنیاد پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرِ اسلام اُس وقت کیا کر رہے تھے۔ وہ دراصل یہ نقشہ بنا رہے تھے کہ آئندہ کس طرح امن قائم کیا جائے، چناں چہ دوسری روایت میں بتایا گیا ہے کہ جس وقت بدر کی یہ دفاعی جنگ ہو رہی تھی، عَین اُسی وقت خدا کا فرشتہ آپ کے پاس آیا اور کہا کہ خدا نے آپ کو امن کا پیغام بھیجا ہے۔ یہ سُن کر پیغمبرِ اسلام نے فرمایا: ”**هو السلام و منه السلام و إليه السلام**“ (البدیہ والنہایہ، جلد 3، صفحہ 267) یعنی خدا سلامتی ہے، اور اُسی سے سلامتی ہے، اور اسی کی طرف سلامتی ہے۔ اِس دوسری روایت کے مطابق درست طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جنگِ بدر کے موقع پر پیغمبرِ اسلام اپنا اگلا منصوبۂ امن بنا رہے تھے:

The leader of Islam was making his next peace plan.

پیغمبرِ اسلام کو قرآن میں پیغمبرِ رحمت کہا گیا ہے: **وما ارسلنٰک إلا رحمة للعالمين** (الانبیاء: 107) یعنی پرافٹ آف مرسی۔ پرافٹ آف مرسی ہی کا دوسرا نام پرافٹ آف پیس ہے۔ دونوں ایک ہی حقیقت کو بیان کرنے کے لیے دو مختلف انداز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

پیغمبرِ اسلام کا مشن کوئی پولیٹیکل مشن نہیں تھا۔ آپ کے مشن کو دوسرے الفاظ میں اسپریچول مشن کہا جاسکتا ہے۔ قرآن میں اس کو تزکیۂ نفس (Purification of the Soul) (البقرہ: 129، بتایا گیا ہے، یعنی انسان کو کامل انسان بنانا۔ دوسری جگہ قرآن میں اِس کے لیے **النّفس المطمئنة** (complex-free soul) (الفجر : 27، کے الفاظ آئے ہیں۔

اِس قسم کا مقصد صرف نصیحت اور تذکیر (persuasion) کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ مقصد ذہن کی تشکیلِ نَو (re-engineering of the mind) کا طالب ہے۔ یہ مقصد صرف انسان کی تفکیری قوت کو بیدار کرکے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس کے حصول کا ذریعہ سیاسی انقلاب نہیں ہے، بلکہ ذہنی انقلاب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام کی تعلیمات تمام تر امن کے تصور پر مبنی ہیں۔

پیغمبرِ اسلام کی لائی ہوئی کتاب قرآن میں کُل تقریباً 6500 آیتیں ہیں۔ اِن آیتوں میں بمشکل چالیس آیتیں ہیں جن میں قِتال یا جنگ کا ذِکر ہے۔ یعنی کُل آیتوں کا ایک فیصد سے بھی کم حصّہ۔ قرآن کی ننانّوے فیصد سے زیادہ آیتیں وہ ہیں جن میں انسان کی قوتِ فکر کو بیدار کیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن گویا آرٹ آف تھنکنگ کے موضوع پر ایک کتاب ہے، وہ کسی بھی درجے میں آرٹ آف فائٹنگ کی کتاب نہیں۔

پیغمبرِ اسلام کی تعلیمات اور آپ کی زندگی کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نہ صرف نظریۂ امن پیش کیا بلکہ آپ نے نہایت کامیابی کے ساتھ پُرامن زندگی کے لیے ایک مکمل طریقِ کار وضع کیا:

He was able to develop a complete methodology of peaceful activism.

پیغمبرِ اسلام کی زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ آپ نے نہ صرف امن کی ایک آئیڈیالوجی پیش کی، بلکہ امن کو عمل میں لانے کے لیے وہ ایک مکمل میتھاڈولوجی آف پیس ڈیویلپ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ گویا کہ آپ نظریۂ امن کے آئیڈیالاگ بھی تھے، اور نظریۂ امن کو عملی انقلاب کی صورت دینے والے بھی۔

خاموش تبلیغ

پیغمبرِ اسلام کی زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ 610 عیسوی میں جب آپ نے مشن شروع کیا تو ابتدائی کئی سال تک آپ خاموشی کے ساتھ انفرادی ملاقاتوں کے ذریعے لوگوں تک اپنی بات پہنچاتے رہے۔ اُس وقت کے مکّہ میں نیز پورے ملک میں بتوں کو پوجا جاتا تھا۔ بت پرستی کا کلچر ہر طرف چھایا ہوا تھا۔ پیدائش سے موت تک ہر معاملے میں مشرکانہ رسمیں داخل ہو چکی تھیں۔ ایسی حالت میں دینِ شرک کے بجائے دینِ توحید لے کر اُٹھنا، نزاع اور ٹکراؤ کو دعوت دینے کے ہم معنیٰ تھا۔

ایسی حالت میں پیغمبرِ اسلام کے لیے دو میں سے ایک کا انتخاب تھا۔ ایک یہ کہ لوگوں کو کھُلے طور پر توحید کی طرف بلائیں اور کھُلے طور پر شرک کو غلط قرار دیں۔ آپ کے لیے دوسرا انتخاب یہ تھا کہ آپ خاموشی کے ساتھ انفرادی ملاقاتوں کے ذریعے اپنا مشن شروع کریں اور حالات کا اندازہ کرتے ہوئے تدریجی طور پر آگے بڑھیں۔ پہلے طریقے میں متشددانہ ٹکراؤ کا اندیشہ تھا، اِس لیے آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اِس کے بجائے آپ نے دوسرے طریقے کو اختیار کرلیا، جو واضح طور پَر امن کا طریقہ تھا۔ جس میں یہ ممکن تھا کہ لوگوں سے ٹکراؤ کی صورتِ حال پیدا کیے بغیر اپنا کام جاری رکھا جا سکے۔

پیغمبرِ اسلام کی زندگی میں یہ پیس فل ایکٹوزم کی پہلی مثال تھی۔ اِس طرح آپ نے اپنی پوری تحریک امن کے اصول پر چلائی۔ اِسی حقیقت کو ایک حدیث میں آپ نے اِس طرح فرمایا: **لا تتمنّوا لقاء العدوّ، وسلوا اللہ العافیة۔** (صحیح البخاری، حدیث نمبر 3024) یعنی اگر تم کو کسی دشمن کا سامنا پیش آئے تو ایسا نہ کرو کہ ردِّ عمل کی نفسیات میں مبتلا ہو کر اس سے لڑ جاؤ بلکہ امن کے اصولوں کو اختیار کرتے ہوئے دشمنی کے مسئلے کو حل کرو:

Solve the problem of enmity by following the peaceful method.

اِس طرح آپ پُرامن انداز میں کام کرتے رہے یہاں تک کہ دھیرے دھیرے 83 آدمی

آپ کے مشن میں شامل ہوگیے۔ اُس وقت آپ کے ایک سینئر ساتھی ابوبکر بن ابی قحافہ نے کہا کہ اب ہم کو اعلان کے ساتھ کھلے عام اپنا کام کرنا چاہیے۔ پیغمبرِ اسلام نے کہا کہ نہیں، اے ابوبکر، ابھی ہم تھوڑے ہیں (یا أبابکر إنّا قلیل) سیرت ابن کثیر جلد ا، صفحہ 441۔

لیکن ابوبکر صدیق نے اِس کے باوجود ایسا کیا کہ وہ کعبہ گئے اور وہاں بلند آواز سے اعلان کر کے لوگوں کو بتایا کہ میں پوری طرح محمد کا ساتھی بن گیا ہوں۔ یہ سُن کر مخالفین کی ایک جماعت دَوڑ کر آئی۔ وہ حضرت ابوبکر کو مارنے پیٹنے لگی۔ انھوں نے ان کو اتنا زیادہ مارا کہ وہ زخمی ہو کر گِر پڑے۔ مارنے والوں نے ابوبکر کو اُس وقت چھوڑا جب کہ انھوں نے سمجھا کہ اب ان کا خاتمہ ہو چکا ہے۔

عمر بن الخطّاب آپ کے ساتھیوں میں نہایت طاقت وَر شخص تھے۔ انھوں نے بھی پیغمبرِ اسلام سے کہا کہ ہم حق پَر ہیں، پھر ہم کیوں خاموش رہیں۔ ہم اعلان کے ساتھ کھُلے طور پر اپنا کام کریں گے۔ یہ سُن کر پیغمبرِ اسلام نے فرمایا: یا عمر إنا قلیل، قد رأیت ما لقینا (سیرت ابنِ کثیر، جلد 1، صفحہ 439)۔ یعنی اے عمر، ہم تھوڑے ہیں، ہمارے ساتھ جو پیش آیا وہ تم نے دیکھ لیا۔

دھیرے دھیرے پیغمبرِ اسلام کا مشن پھیلنے لگا۔ آپ کے ساتھیوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ پھر وہ وقت آیا جب کہ مدینہ سے 73 آدمی آ کر آپ سے ملے، اور بتایا کہ ہم آپ کے مشن میں آپ کے ساتھی ہو چکے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اب آپ مکّہ والوں کی زیادتی کو اور زیادہ برداشت نہ کیجیے۔ ہم کو اجازت دیجیے کہ ہم مکّہ والوں کے خلاف جہاد کریں۔ پیغمبرِ اسلام نے فرمایا: اصبروا، فإني لم أُومر بالقتال (المواہب اللدنیۃ، 1/199) یعنی تم صبر کرو، کیوں کہ مجھے لڑائی کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔

پیغمبرِ اسلام کی یہ روش بتاتی ہے کہ وہ ہمیشہ عملی نتیجے کو سامنے رکھتے تھے۔ اُن کا یہ ماننا تھا کہ اقدام کو مثبت نتیجے کا حامل ہونا چاہیے، ایسا اقدام جو کاؤنٹر پروڈکٹیو (counterproductive) ثابت ہو، وہ کوئی اقدام نہیں۔ آپ نتیجہ خیز اقدام (result-oriented action) کے حامی تھے۔

پیغمبرِ اسلام کی لائف بتاتی ہے کہ ان کی اسکیم میں اُس قسم کی چیز کے لیے کوئی جگہ نہ تھی جس

کوموجودہ زمانے میں خودکُش بمباری (suicide bombing) کہا جاتا ہے۔ خودکُش بمباری کیا ہے، وہ دراصل مایوسی کا آخری درجہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنے مخالف پَر غلبہ حاصل نہیں کرسکتا، اِس لیے وہ یہ چاہنے لگتا ہے کہ فریقِ ثانی کو محدود نقصان پہنچانے کی خاطر خود اپنے آپ کو ہلاک کرے، اور پھر اپنے آپ کو یہ کہہ کر مطمئن کرلے کہ میں نے ایسا اِس لیے کیا کہ میں شہید ہوجاؤں۔

دُشمن کے مقابلے میں خودکش بمباری دراصل یہ ہے کہ آدمی کے سامنے پیس فل ایکشن کا انتخاب کُھلا ہوا ہو مگر نفرت اور انتقام کے جذبات میں مبتلا ہو کر وہ اس کو دیکھنے کے لیے اندھا ہوجائے اور اندھے پن میں وہ خود اپنے کو ہلاک کرڈالے۔ کوئی بھی صورتِ حال جہاں کوئی شخص خودکُش بمباری کا چوائس لیتا ہے وہاں یقینی طور پر اس کے لیے پُرامن طریقِ کار کا راستہ کُھلا ہوتا ہے۔ مگر وہ اس کو دیکھ نہیں پاتا۔

اصل یہ ہے کہ پُرامن طریقِ کار کا انتخاب لینے کے لیے پہلی ضروری شرط یہ ہے کہ آدمی کا ذہن نفرت اور انتقام کے جذبات سے خالی ہو۔ وہ غیر متاثر انداز میں واقعات کا تجزیہ کرے۔ پیغمبرِ اسلام کے الفاظ میں: وہ چیزوں کو ویسا ہی دیکھ سکے جیسا کے وہ ہیں (أرنا الأ شیاء کما ھي) تفسیر الرازی، 1/119۔ پُرامن عمل ایک مثبت عمل ہے اور مثبت عمل کی اہمیت کو ایک مثبت ذہن ہی سمجھ سکتا ہے، اور اس کے مطابق اپنے عمل کی منصوبہ بندی کرسکتا ہے۔

سیاسی غلو

قرآن میں ایک نصیحت اِن الفاظ میں آئی ہے: **لاتغلوا فی دینکم** (النساء: 171) یعنی تم لوگ اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ غلو مذہبی گروہوں کی ہمیشہ خاص گمراہی رہی ہے۔ چناں چہ آپ نے فرمایا: **ایاکم والغلو فی الدین فانما ھلک من کان قبلکم بالغلو فی الدین** (مسند احمد، حدیث نمبر 1851) یعنی تم غلو سے بہت زیادہ بچو کیوں کہ پچھلی امتیں اسی لئے ہلاک ہوئیں کہ انھوں نے دین میں غلو کیا۔

غلو کے معنی انتہا پسندی (extremism) کے ہیں۔ غلو دراصل زوال کی علامت ہے۔ کوئی مذہبی گروہ جب زوال کا شکار ہوتا ہے تو اس کے اندر غلو پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً مسیحی گروہ کے بعد کی نسلوں میں ابنیتِ مسیح کا عقیدہ، وغیرہ۔ جیسا کہ معلوم ہے، حضرت مسیح کی پیدائش معجزاتی انداز میں ہوئی تھی۔ بعد کے مسیحیوں نے اس میں غلو کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے یہ عقیدہ بنالیا کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے تھے۔

حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ وسلم نے فرمایا کہ میرے امت میں بھی وہ ساری خرابیاں پیدا ہوں گی جو پچھلی امتوں میں ہوئیں، بلکہ پچھلی امتوں سے بھی زیادہ۔ یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں بتایا گیا ہے کہ پچھلی امتوں میں 72 فرقے ہوئے تھے اور مسلمانوں میں 73 فرقے ہوجائیں گے۔

اس قسم کے بہت سے اعتقادی غلو، جلی یا خفی انداز میں مسلمانوں کے اندر پیدا ہو گئے ہیں۔ مگر مسلمانوں میں غلو کی اور ایک قسم ہے جو غالباً کسی پچھلی امت میں پائی نہیں گئی۔ شاید اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل 72 فرقوں میں بٹ گئے اور تم 73 فرقوں میں بٹ جاؤ گے۔ غلو کی اس اضافی قسم کو سیاسی غلو (political extremism) کہا جا سکتا ہے۔

معلوم تاریخ کے مطابق، کسی پچھلی امت کو وہ سیاسی عظمت نہیں ملی جو مسلمانوں کو ظہور اسلام

کے بعد ایک ہزار سال کے دوران حاصل ہوئی۔ سیاسی عظمت عقیدہ کا حصہ نہ تھی بلکہ وہ تاریخ کا حصہ تھی۔ مگر مسلمانوں نے اس میں غلو کیا یہاں تک کہ عملی طور پر اس کو عقیدہ کا حصہ بنا دیا۔ اس طرح مسلمانوں میں سیاسی غلو پیدا ہو گیا۔ اسی غلو کا نتیجہ وہ متشددانہ جہاد ہے، جو آج مسلم دنیا میں پایا جاتا ہے۔

سیاسی عظمت کے دور میں مسلمانوں کے اندر اس معاملہ میں غلو آمیز افکار پیدا ہوئے۔ مثلاً یہ کہ مسلمان خدا کی زمین پر خدا کے خلیفہ ہیں اور ان کو یہ حق ہے کہ وہ خدا کی نیابت میں تمام قوموں کے اوپر حکومت کریں۔ دین ایک مکمل اسٹیٹ کے ہم معنی ہے، اور دین اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک وہ اسٹیٹ کی صورت میں قائم نہ ہو جائے۔ مسلمان افضل گروہ ہے اور دوسری قومیں ان کے مقابلہ میں غیر افضل گروہ۔ اس لئے مسلمان کبھی اس کو برداشت نہیں کرسکتے کہ غیر افضل گروہ ان کے اوپر غالب ہو جائے۔ مسلمانوں کی ذمہ داری صرف نماز روزہ کی ادائیگی سے پوری نہیں ہوسکتی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی لازمی طور پر ضروری ہے کہ مسلمان خدا کی حاکمیت کا جھنڈا ساری زمین پر گاڑ دیں۔

اس قسم کے عقیدہ کا کوئی تعلق خدا کے اتارے ہوئے دین سے نہیں۔ یہ تمام تر سیاسی غلو ہے مگر موجودہ دور کے مسلمان پوری طرح اس سیاسی غلو میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ تقریباً سارے مسلمان اس غلو آمیز سوچ کا شکار ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ کوئی شعوری طور پر اس میں مبتلا ہے اور کوئی غیر شعوری طور پر اس کا حصہ بنا ہوا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے پچھلی امتوں کو ان کے پیغمبر کے بعد سیاسی عظمت نہیں ملی اس لئے ان کے یہاں سیاسی غلو کا ظاہرہ وجود میں نہیں آیا۔ ان کے یہاں اعتقادی غلو پیدا ہوا کیوں کہ ان کے حالات کے اعتبار سے اسی قسم کا غلو ان کے درمیان پیدا ہونا ممکن تھا۔

مسلمانوں کا معاملہ استثنائی طور پر مختلف تھا۔ ان کے پاس مذہبی عقائد بھی تھے اور اسی کے ساتھ تاریخی معنوں میں سیاسی عظمت بھی۔ چناں چہ حدیث کے مطابق، ان کے یہاں اعتقادی غلو کے اعتبار سے 72 فرقے بن گئے۔ اسی کے ساتھ حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق، ان کے یہاں ایک 73 واں فرقہ بھی پیدا ہوا۔ یہ نیا فرقہ سیاسی غلو کرنے والوں کا فرقہ تھا۔ اعتقادی غلو کی برائی

مسلمانوں میں تقریباً اتنی ہی ہے جتنی کہ دوسری امتوں میں پائی جاتی ہے مگر اسی کے ساتھ سیاسی غلو نے ان کے معاملہ کو بہت زیادہ سنگین بنادیا ہے۔

قرآن وحدیث کے مطابق، مسلم امت کا سب سے بڑا فریضہ دعوت ہے۔ یعنی غیر مسلم قوموں میں پُرامن طور پر خدا کا پیغام پہنچانا۔ اسی کو قرآن وحدیث میں شہادت علی الناس کہا گیا ہے — مگر موجودہ مسلمان اپنے سیاسی غلو کی بنا پر دعوت اِلی اللہ کے کام سے تقریباً مکمل طور پر دور ہو گئے ہیں۔ ان کی اس دوری کی سب سے زیادہ خطرناک شکل یہ ہے کہ انھوں نے دوسرے دوسرے کاموں پر دعوت کا لیبل لگا دیا ہے۔ مثلاً مناظرہ (debate) کو دعوت کہنا، سیاسی نظام کے لیے ہنگامہ آرائی کو دعوت کہنا، اصلاح المسلمین کے کام کو دعوت کہنا، کمیونٹی ورک کو دعوت کہنا، وغیرہ۔

آج سب سے زیادہ ضروری کام یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر دعوت کا شعور پیدا کیا جائے۔ ان کے تعلیمی نظام کو دعوت کے اصول پر قائم کیا جائے۔ ان کو داعی گروہ کی حیثیت سے اٹھایا جائے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ انھیں غیر دعوتی سرگرمیوں سے روکا جائے، کیوں کہ اس کے بغیر موثر انداز میں دعوت کا کام نہیں ہوسکتا۔

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ عصمت من الناس کا راز تبلیغ ما انزل اللہ میں چھپا ہوا ہے (المائدۃ: 67)۔ یعنی مسلمان اگر دعوت اِلی اللہ کا کام کریں تو اللہ ان کی جان ومال کا محافظ بن جائے گا۔ گویا دینی پیغام کا کام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور یہ اللہ کا ذمہ ہے کہ وہ ان کے مادی مفادات کی حفاظت کرے گا۔

مشہور حدیث میں آیا ہے: إنما الأعمال بالنیات (صحیح البخاری، حدیث نمبر 1)۔ یعنی عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔ اس حدیث میں نیت سے مراد وہی چیز ہے جس کو عام طور پر روح یا اسپرٹ کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں اگرچہ بہت سے اعمال ہیں۔ جن کی ایک ظاہری صورت ہوتی ہے مگر اسلام میں اصل اہمیت کی چیز عمل کی روح یا اسپرٹ ہے نہ کہ محض اس کا ظاہری فارم۔

دوسری طرف حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کے زمانے کے

مسلمانوں کے بارے میں فرمایا: **لا يبقى من الإسلام إلا إسمه (شعب الإيمان للبيهقي،** حدیث نمبر1763)۔ یعنی اسلام کا صرف نام باقی رہے گا۔ بعد کی مسلم نسلوں میں ایسا ہوگا کہ داخلی روح یا اسپرٹ تو ان میں ختم ہو جائے گی، البتہ اسلامی اعمال کی ظاہری صورت ان کے یہاں باقی رہے گی۔لوگ اسلام کی اصل حقیقت سے بے بہرہ ہوں گے۔ وہ صرف ظاہری اسلام کو جانیں گے اوراس کااہتمام کریں گے۔

اس فرق سے غلو کے معاملہ کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ اس کی اسپرٹ زندہ تھی تو ساری توجہ روح یا اسپرٹ پر دی جاتی تھی۔ بعد کی نسلوں میں جب زوال آیا تو ظاہری چیزوں کو اہمیت دی جانے لگی۔یہی ہر معاملہ میں ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر بزنس کلچر میں ایک لفظ بہت بولا جاتا ہے وہ ہے کسٹمر فرینڈلی بیہیویر (customer-friendly behaviour)۔ چناں چہ بزنس مین اپنے کسٹمر کے ساتھ بہت زیادہ دوستانہ آداب کا مظاہرہ کرتا ہے۔اس کے مقابلہ میں گھر کے ادارہ کو دیکھیے۔کسی گھر میں آپ ماں باپ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنیں گے کہ ہمارا رویہ اپنی اولاد کے ساتھ سن فرینڈلی (son-friendly) ہوتا ہے۔اس فرق کا سبب یہ ہے کہ ماں باپ کے اندر اپنی اولاد کے لیے محبت کی روح اپنے آپ موجود رہتی ہے،اس لیے انھیں اس کی ظاہری نمائش کی ضرورت نہیں۔

بزنس مین کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ بزنس مین کے دل میں اپنے کسٹمر کے لئے کوئی قلبی شفقت اورمحبت نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ ظاہری آداب کا خوب اہتمام کرتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جہاں داخلی روح زندہ ہو وہاں ظواہر کا زیادہ اہتمام دکھائی نہیں دے گا لیکن جب داخلی روح موجود نہ رہے تو ظاہری چیزوں کا خوب اہتمام ہوگا۔

یہی وہ انسانی مزاج ہے جو مذہب میں وہ چیز پیدا کرتا ہے جس کا نام غلو ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ غلو یا انتہا پسندی کا معاملہ ہمیشہ ظاہری چیزوں میں کیا جاتا ہے، نہ کہ داخلی حقیقت میں۔

موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مذکورہ پیغمبرانہ پیشین گوئی مکمل

طور پر پوری ہوچکی ہے۔ مسلمانوں میں جوغلو پیدا ہوا ہے۔ اس کی ایک قسم وہ ہے جس کو اعتقادی غلو کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً حضرت علی کی تفضیلِ مطلق کا عقیدہ، بزرگوں کے وسیلوں کا عقیدہ، قبروں کے تقدس کا عقیدہ، وہ عقیدہ جس کو الطاف حسین حالی نے ان الفاظ میں بیان کیا:

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں

موجودہ زمانے میں ساری دنیا میں جہاد کے نام پر متشددانہ کارروائیاں جاری ہیں۔ کچھ لوگ اس میں براہ راست طور پر ملوث ہیں اور کچھ لوگ اس میں اس طرح شریک ہیں کہ وہ اپنی تقریر یا تحریر میں اس کو درست ثابت کرتے ہیں، کچھ اور لوگ ہیں جو اس پر خاموشی کا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں مگر شرعی اصول کے مطابق وہ بھی اس میں شریک ہیں۔ غرض مسلمانوں کا ایک گروہ اس متشددانہ جہاد میں براہ راست طور پر ملوث ہے اور دوسرا گروہ بالواسطہ طور پر۔

یہ سیاسی غلو موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اس کمزوری نے ان سے وہ تمام انسانی اوصاف چھین لیے ہیں جو کسی قوم کو عزت اور عظمت کا مقام دیتے ہیں۔ مثلاً انسان کی خیر خواہی، آفاقی طرز فکر، مثبت انداز میں سوچنا، زمانہ کی تبدیلیوں کو جاننا، حقیقت پسندی کا مزاج، دوسروں کا اعتراف، داعیانہ اسپرٹ، امن کی اہمیت کو سمجھنا، موضوعی نقطۂ نظر (objective thinking)، وغیرہ۔

اس سیاسی غلو کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ مسلمان ماضی کے جنون سے باہر نہ آسکے، وہ حال کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ ماضی میں جنگ فیصلہ کن ہوا کرتی تھی، موجودہ زمانہ میں پر امن وسائل زیادہ طاقتور ہو چکے ہیں۔ مگر مسلمانوں کو اس کی خبر نہیں۔ ماضی میں زراعات پر مبنی اقتصادیات کا دور تھا۔ اب انڈسٹری پر مبنی اقتصادیات کا دور آچکا ہے مگر مسلمان اس سے بے خبر ہیں۔ ماضی میں جدید کمیونی کیشن کا کوئی وجود نہ تھا جب کہ آج جدید کمیونی کیشن سب سے بڑی طاقت بن چکی ہے۔ مگر مسلمان اس کو نہیں جانتے۔ ماضی میں تمام ذرائع حکومت کے پاس ہوتے تھے، موجودہ زمانہ اداروں (institutions) کا زمانہ ہے۔ موجودہ زمانہ میں یہ ممکن ہو گیا ہے کہ کوئی گروہ اداروں

کے ذریعے ایک متوازی امپائر بنا سکے مگر مسلمانوں کو اس نئی حقیقت کی کوئی خبر نہیں، وغیرہ۔

موجودہ زمانہ میں جو متشددانہ جہاد شروع کیا گیا، وہ ٹیپو سلطان (وفات: 1799) سے لے کر آج تک جاری ہے۔ مگر اس دو سو سالہ جہاد کا کوئی بھی مثبت نتیجہ نہیں۔ اس کے باوجود مسلمانوں میں ابھی تک ازسرے نو جائزہ (reassessment) کی کوئی حقیقی تحریک نہیں اٹھ سکی۔ اس کا سبب مسلمانوں کا یہی شعوری پچھڑا پن ہے۔ آج سب سے بڑا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کے اس شعوری پچھڑے پن کو دور کیا جائے، اس کے بغیر صورت حال میں کسی مثبت تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔

تقریباً ۷۰ سال پہلے امیر شکیب ارسلان نے ایک کتاب لکھی جس کا ٹائٹل تھا: ”**لماذا تأخر المسلمون و تقدم غیر هم**“ (مسلمان کیوں پیچھے رہ گئے اور دوسری قومیں کیوں آگے ہوگئیں)۔ اس کتاب میں جہاد میں پچھڑنے کو مسلمانوں کی پسماندگی کا سبب بتایا گیا ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں اس عربی شعر کو نقل کیا تھا:

تاخرتُ استبقی الحیاۃ فلم أجد

لنفسی حیاۃ مثل أن اَتقدّما

میں بقائے حیات کے لئے جنگ سے پیچھے رہا۔ مگر اس میں میں نے اپنے لئے کوئی زندگی نہ پائی۔ زندگی تو صرف آگے بڑھنے والوں کے لئے تھی۔

یہی بات پچھلے دو سو سال سے تمام مسلم رہنما لکھتے اور بولتے رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ جہادی نظریہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں پھیل گیا۔ حتیٰ کہ جہادی ماڈل ہی عمل کا واحد ماڈل بن گیا۔ لیکن آج نتیجہ کو سامنے رکھ کر سوچیے تو معلوم ہوگا کہ یہ عمل، معکوس نتیجہ (counterproductive) پیدا کرنے والا عمل ثابت ہوا۔ ایسی حالت میں مذکورہ شعر کی بات کو بدل کر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ میں نے زندگی اور بقاء کے لئے جنگ کا طریقہ اختیار کیا مگر آخر کار معلوم ہوا کہ زندگی اور بقاء تو ان لوگوں کے لیے ہے جو متشددانہ طریقہ کار کے بجائے پرامن طریقہ کار کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

دورِ قدیم، دورِ جدید

دورِ قدیم میں طاقت کو واحد معیار کا درجہ حاصل تھا۔ روایتی طور پر طاقت ور آدمی کو یہ حیثیت ملی ہوئی تھی کہ وہ طاقت کے بل پر جہاں چاہے اپنا دبدبہ قائم کرلے۔ اور لوگ اس کو درست سمجھ کر قبول کرلیں۔ اس اعتبار سے گویا قدیم دور کا معاشرہ طاقت ور انسان کا معاشرہ تھا۔

موجودہ زمانے میں حقوقِ انسانی (human rights) کی تحریکیں نہایت زور وشور کے ساتھ چلیں۔ یہاں تک کہ دنیا میں عملاً ایک نیا معیار قائم ہوگیا۔ اب حقوق یافتہ طبقہ (privileged class) کا تصور ختم ہوگیا۔ اب ایک نیا دور شروع ہوا ہے جب کہ اصولی طور پر ساری اہمیت جوہرِ ذاتی (merit) کی ہے۔ آج کی دنیا میں ساری اہمیت صرف میرٹ (merit) کو حاصل ہے۔ آج کی دنیا مبنی بر میرٹ (merit-based) دنیا ہے۔ اگر آپ غلطی کرکے کسی کو جواز (justification) نہ دیں تو آپ کو یہ تجربہ پیش آنے والا نہیں کہ آپ اپنی صلاحیت کے اعتبار سے ایک چیز کے حقدار ہوں، پھر بھی وہ چیز آپ کو نہ ملے۔

زمانے کی اس تبدیلی نے آج ایک نیا امکان پیدا کردیا ہے۔ وہ امکان یہ ہے کہ اگر آپ مکمل طور پر پرامن طریقہ (peaceful method) اختیار کریں تو کوئی آپ پر تشدد کرنے والا نہیں۔ کسی بھی مقام پر آپ کا راستہ رکنے والا نہیں۔ پرامن طریقہ کار کے ذریعے آپ جو مقصد چاہیں، اس کے لیے آزادانہ طور پر اپنا منصوبہ بنا سکتے ہیں، اور اس کو زیرِ عمل لا سکتے ہیں۔ مثلاً تجارت، تعلیم، دعوت الی اللہ، وغیرہ۔

یہ امکان خاص طور پر ان لوگوں کے لیے اہم ہے جو تعلیم اور دعوت جیسے تعمیری میدان میں کام کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے زمانے میں جبر کا نظام تھا۔ اس لیے تعمیری میدان میں بھی آزادانہ کام کے مواقع حاصل نہ تھے۔ اب یہ رکاوٹ مکمل طور پر ختم ہوگئی ہے۔ اب ہر انسان اور ہر گروپ کو یہ موقع ہے کہ وہ اپنے تعمیری حوصلوں کو پوری طرح برروئے کار لاسکیں۔

دعوت عام، اصلاح امت

جس طرح صلاۃ اور زکاۃ دین کے دو الگ الگ شعبے ہیں، اسی طرح دعوت اور اصلاح دین کے دو الگ الگ شعبے ہیں۔ اگر دعوت عام اور اصلاح امت، دونوں کو ایک سمجھ لیا جائے تو دونوں میں سے کسی کا بھی تقاضا پورا نہیں ہوگا۔ جس طرح صلاۃ اور زکاۃ دونوں کو ایک سمجھ لیا جائے تو نہ صلاۃ کا تقاضا پورا ہوگا اور نہ زکاۃ کا۔

اصلاحِ امت دراصل امت کی ایک داخلی ضرورت ہے۔ فطرت کے قانون کے مطابق، امت کے اندر ہمیشہ زوال کا عمل جاری رہتا ہے۔ اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ امت کی ہر نسل میں احیاء (revival) کا عمل جاری رہے، امت کی ہر نسل میں دین کی اسپرٹ کو دوبارہ زندہ کیا جاتا رہے۔ یہ امت کے علماء کا ایک مستقل فریضہ ہے۔ لومۃ لائم (المائدہ :54) کا اندیشہ کیے بغیر اس فریضے کو مسلسل طور پر جاری رکھنا ضروری ہے۔

دعوت الی اللہ سے مراد وہی چیز ہے جس کو قرآن میں انذار اور تبشیر (النساء:165) کہا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر قوم اور ہر انسانی گروہ کو مسلسل طور پر یہ بتانا کہ ان کے پیدا کرنے والے نے ان کو کس لیے پیدا کیا ہے۔ خالق کا تخلیقی نقشہ (creation plan) کیا ہے۔ ابدی کامیابی کیا ہے، اور ابدی خسران کیا ہے۔ یہ دین کی عمومی پیغام رسانی کا کام ہے۔

دعوت کے دو خاص تقاضے ہیں جن کو قرآن میں ناصح اور امین (الاعراف :68) کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی مدعو کے ساتھ کامل خیر خواہی اور دعوت کے معاملے میں پوری دیانت داری۔ اس کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ دعوت کو مدعو کی قابلِ فہم زبان میں بیان کیا جائے۔ دعوت کو ایسے اسلوب میں بیان کیا جائے جو مدعو کے ذہن کو ایڈریس کرے۔ دعوت محض اعلان (announcement) کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ مدعو کے ساتھ کامل رعایت کا نام ہے۔ داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ یک طرفہ حسنِ تعلق کی روش اختیار کرے۔ تاکہ داعی اور مدعو کے درمیان اعتدال کی فضا باقی رہے۔

امیج بلڈنگ

موجودہ زمانے میں بعض اسباب کے تحت اسلام کی یہ تصویر (image) بن گئی ہے کہ اسلام ایک تشدد کا مذہب ہے۔ قرآن اپنے ماننے والوں کو جہاد وقتال کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام کے نزدیک امن کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ غلط فہمی کی بات ہے۔ لیکن موجودہ زمانے میں یہ غلط فہمی اتنی زیادہ عام ہوگئی ہے کہ ساری دنیا کے لوگ کسی نہ کسی اعتبار سے اس غلط فہمی کا شکار ہوگیے۔

یہ معاملہ بے حد سنگین ہے۔ اس عالمی صورت حال کی بنا پر آج اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ وہ چیز بن گئی ہے جسے تصویر کو درست کرنا (image-building) کہا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ایک طرف مسلمانوں کو سختی کے ساتھ اس کا اہتمام کرنا چاہیے کہ ان کا کوئی عمل اس غلط فہمی کی تصدیق نہ بن جائے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے دوسرا کام یہ کرنا ہے کہ ایسی کتابیں تیار کرکے اس کو ساری دنیا میں پھیلایا جائے، جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ اسلام ایک امن پسند مذہب ہے۔ اسلام ہر حال میں امن قائم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام اور تشدد دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

الرسالہ مشن کے تحت اس مقصد کے لیے بہت سی کتابیں شائع کی گئی ہیں۔ اور الرسالہ مشن کے تحت ان کتابوں کو عالمی سطح پر پھیلایا جارہا ہے۔ ان کتابوں میں قرآن کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ پولینڈ کے ایک کرسچن اسکالر نے ہمارے یہاں کا چھپا ہوا انگریزی ترجمہ پڑھا تو انھوں نے تعجب آمیز خوشی کے ساتھ کہا کہ اس ترجمے کو پڑھ کر تو مجھے یہ دریافت ہوئی کہ قرآن ایک امن پسند کتاب ہے۔

اس سلسلے کی تازہ کوشش یہ ہے کہ ہمارے ادارے سے ایک نئی انگریزی کتاب شائع ہوئی ہے، جس کا نام دورِ امن (*The Age of Peace*) ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ اس کتاب کو حاصل کرکے اس کو زیادہ سے زیادہ پھیلائیں، خاص طور پر انگریزی داں طبقے کے درمیان۔ امیج بلڈنگ کے نقطۂ نظر سے یہ کتاب بہت زیادہ اہم ہے۔ اس کتاب کو ادارے سے ربط کرکے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

سوال وجواب

سوال

مولانا صاحب، میں انٹرنیٹ پر آپ کے لکچرس سنتا ہوں اور الرسالہ پڑھتا ہوں۔ اس طرح مجھے دین کی کافی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مولانا صاحب، میرا آپ سے سوال ہے کہ میں ایک معروف ہاسپٹل میں کمپیوٹر آپریٹر کی جاب کرتا ہوں۔ یہاں پر ہندو ساتھی پوجا کا پرشاد کھانے کے لیے دیتے ہیں۔ جب میں کھانے سے منع کرتا ہوں یا اسے نہیں لیتا تو وہ ناراض ہوجاتے ہیں۔ ایسے موقعے پر میں کیا کروں، ان کو کیسے سمجھاؤں یا کنونس کروں۔ (محمد اعجاز حسین، حیدر آباد)

جواب

آپ کا رویہ درست نہیں۔ یہ کوئی اسلام نہیں ہے کہ آپ لوگوں کے پرشاد کو نہ لیں۔ پرشاد ایک رزقِ خداوندی ہے۔ دوسرا شخص اگر اس کو پرشاد کے نام پر دیتا ہے تو آپ اس کو رزق خداوندی کے نام پر قبول کریں۔ کچھ لوگوں نے پرشاد کو سورہ البقرۃ کی آیت نمبر 173 کے تحت غلط بتایا ہے، مگر یہ قیاس مع الفارق ہے۔

صحیح یہ ہے کہ پرشاد کے معاملے کو سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیت کے تحت نہ لیا جائے، بلکہ پرشاد کو تالیف قلب کی آیت (التوبہ: 60) کے تحت لیا جائے۔ دعوت امت مسلمہ کا اہم ترین فریضہ ہے۔ اور دعوت کے لیے تالیف قلب ضروری ہے۔ تالیف قلب کے بغیر دعوت کا کام درست طور پر انجام نہیں دیا جاسکتا۔

تالیف قلب دراصل مدعو کے حق میں خیر خواہی کا ایک ظاہرہ (phenomenon) ہے۔ داعی اپنے مدعو کا ناصح (الاعراف:68) ہوتا ہے، یعنی خیر خواہ (well-wisher)۔ خیر خواہی کے جذبے کی بنا پر داعی چاہتا ہے کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کرے کہ داعی مدعو کے درمیان معتدل تعلقات قائم ہوں۔ تاکہ مدعو داعی کی بات کو سنجیدگی کے ساتھ لے، وہ اس کو نظر انداز نہ کرے۔ داعی کو ہر ایسا کام کرنا چاہیے جس سے داعی اور مدعو کے درمیان ناصحانہ تعلق قائم ہو۔

سوال

سائنٹفک اسلوب کیا ہے، اس کے لوازمات ومتعلقات کیا ہیں، وضاحت کے ساتھ تشریح فرمائیں۔

(فرید احمد، مظفر پور)

جواب

سائنٹفک میتھڈ کے ٹرم کا استعمال علمی دنیا میں سترھویں صدی عیسوی میں شروع ہوا۔ ابتدائی طور پر یہ ٹرم فزیکل سائنس میں استعمال ہوتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ فزیکل دنیا کا مطالعہ ریاضیاتی منطق (mathematical logic) کی روشنی میں کیا جائے۔ مثلاً سورج کی روشنی کس رفتار (speed) سے سفر کرتی ہے، اس کو مخصوص آلات کی مدد سے دریافت کرنا، وغیرہ۔

بعد کو سائنٹفک میتھڈ کا ٹرم، انسانیات کے شعبوں میں بھی استعمال ہونے لگا۔ میں ذاتی طور پر سائنٹفک میتھڈ کا ٹرم اسی معنی میں استعمال کرتا ہوں۔ میرا موضوع انسانیات ہے۔ میرے نزدیک انسانیات کے شعبوں کا مطالعہ وہی صحیح ہے جس میں مطالعے کے لیے سائنٹفک میتھڈ کو استعمال کیا گیا ہو۔ سائنٹفک میتھڈ دوسرے لفظوں میں وہی ہے جس کو موضوعی اسلوب (objective method) کہا جاتا ہے۔ یہ اسلوب ایک مسنون اسلوب ہے۔ حدیث میں اس کے لیے جو الفاظ آئے ہیں، وہ یہ ہیں: **اللهم ارنا الاشياء كما هي** (تفسیر الرازی، 1/199)۔ یعنی اے اللہ، ہم کو یہ توفیق دے کہ ہم چیزوں کو مطابقِ حقیقت (as it is) دیکھ سکیں۔

مثال کے طور پر موجودہ زمانے میں مسلمان عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ تمام قومیں ہماری دشمن ہوگئی ہیں، وہ ہمارے خلاف سازش کرتی ہیں۔ یہ بلاشبہ غیر سائنٹفک اسلوب ہے۔ اس لیے کہ قرآن میں واضح طور پر بتایا گیا ہے: وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا (آل عمران : 120)۔ اس آیت کے مطابق، اصل مسئلہ یہ ہے کہ سازش کے مقابلے میں مسلمانوں کا عمل یہ ہونا چاہیے کہ وہ درست منصوبہ بندی کے ذریعے سازش کو اپنے لیے غیر موثر (harmless) بنا دیں، نہ کہ سازش کے نام پر احتجاج (protest) کرنا۔

نئی کتابیں: صدر اسلامی مرکز کی کتاب مطالعہ سیرت کا سندھی زبان میں ترجمہ 'سیرت جو مطالعہ' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ سینٹر فار پیس اینڈ اسپریچوالٹی، حیدر آباد، پاکستان سے اس کتاب کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ وہاں سے سندھی زبان میں صدر اسلامی مرکز کی دوسری کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں۔ مثلاً قرآن جو مطالعہ (مطالعۂ قرآن)، حدیث جو مطالعہ (مطالعۂ حدیث)، اور تاریخ جا سبق (تاریخ کا سبق)۔

• صدر اسلامی مرکز کی کتاب دین کی سیاسی تعبیر (خلاصہ تعبیر کی غلطی) کا انگریزی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ انگریزی میں اس کا نام ہے: *The Political Interpretation of Islam*۔ اس کتاب کو گڈ ورڈ بکس سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

• صدر اسلامی مرکز کے انگریزی مضامین کا ایک مجموعہ دی ٹروفیس آف اسلام (The True Face of Islam) نام سے ہارپر کلین پبلیشر (Harper Collins) نے شائع کیا ہے۔ اس مجموعہ کو سی پی ایس دہلی کے ممبر مسٹر رامش صدیقی نے مرتب کیا ہے۔

میڈیا انٹرویوز: 19 نومبر 2015 کو پاکستان کے مشہور ٹی وی چینل جیو نیوز (GEO News) پاکستان کے سلیم خان صافی نے اپنے مشہور پروگرام جرگا کے لیے صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ انٹرویو کے زیادہ تر سوالات کا تعلق مسلمانوں کے موجودہ مسائل سے تھا۔ دورانِ انٹرویو جو باتیں کہی گئیں ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ کسی کام کو اس کے نتیجے کے اعتبار سے جانچا جائے گا۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے۔ انٹرویو کے بعد انٹرویور کو صدر اسلامی مرکز کی کتابوں کا ایک سیٹ دیا گیا، جسے انھوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔

• منصف چینل نئی دہلی کے نمائندہ مسٹر انظر اللہ نے اپنے پروگرام خاص ملاقات کے لیے اسلامی مرکز کا انٹرویو ریکارڈ کیا— دوران انٹرویو جو باتیں کہی گئی ان میں سے ایک یہ بات تھی کہ سماج میں وقوع پذیر ہونے والی ہر خرابی کا سدباب صرف حکومت کے ذریعے نہیں کیا جا سکتا ہے، اس کے لیے سماج کو تیار کرنا ضروری ہے۔ انٹرویو کے بعد ان کو صدر اسلامی مرکز کی کتابوں کا ایک سیٹ دیا گیا، جسے انھوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔

ملاقات: بنگلور کی این جی او، دی واک آف ہوپ (The Walk of Hope) کے میڈیا— کمیونی کیشن کنوینر جناب پی این شاہ نواز صاحب نے صدر اسلامی مرکز سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کا مقصد امن کے موضوع پر تبادلۂ خیال کرنا، اور دہلی میں ہونے والے ایک سیمینار کے لیے صدر اسلامی مرکز کو دعوت دینا تھا۔ یہ ملاقات یکم اکتوبر 2015 کو ہوئی۔ اس موقع پر انھیں صدر اسلامی مرکز کی نئی کتاب دی ایج آف پیس اور دوسرے لٹریچر دیے گیے۔

جدید دعوتی امکانات: دورِ جدید میں دعوت کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ساری دنیا اسلام کی بات سننا چاہتی

ہے۔ ذیل میں اس کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

- 15-19 اکتوبر 2015 کو سالٹ لیک سٹی (یوٹاہ، امریکا) میں ورلڈ مذہبی پارلیمنٹ نے کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اس میں سی پی ایس انٹرنیشنل (یو ایس اے) نے کتابوں کا ایک اسٹال لگایا اور شرکاء کے درمیان تقریباً ایک ہزار انگلش ترجمہ قرآن اور ایچ آف پیس تقسیم کیا۔ یہ نہایت انوکھا تجربہ تھا۔ ہر شخص حق کا متلاشی تھا۔ اور ہر شخص نے نہایت خوشی اور شکریہ کے ساتھ اس تحفہ کو قبول کیا۔
- 28-30 نومبر 2015 کو نئی دہلی میں ٹائمس لٹریری فیسٹول منعقد ہوا۔ اس میں سی پی ایس ممبر مس ماریہ خان نے 'ماڈرن انڈیا زسرچ فار اسپریچولٹی' پر انگریزی زبان میں ایک خطاب کیا۔ اس کے بعد سوال وجواب کا سیشن بھی تھا۔ تمام سامعین نے اس تقریر کو پسند کیا۔ اس موقع کو استعمال کرتے ہوئے سی پی ایس ٹیم کے ممبران نے مقررین اور سامعین کے درمیان ترجمہ قرآن اور دعوتی لٹریچر تقسیم کیے۔ یہ پروگرام انڈیا کے مشہور انگریزی اخبار ٹائمس آف انڈیا نے آرگنائز کیا تھا۔
- 5 نومبر 2015 کو چنمیا مشن نے اپنے فاؤنڈر سوامی چنمیا نندا کے صدی جشن ولادت کے موقع پر ایک پروگرام نئی دہلی کے سری فورٹ میں کیا۔ اس پروگرام میں مختلف مذاہب وفکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی عزت افزائی کی گئی تھی، جن میں سے ایک صدر اسلامی مرکز تھے۔ اس موقع پر سی پی ایس ممبران نے مختلف مذاہب کے مذہبی وسیاسی رہنماؤں کو انگلش ترجمۂ قرآن اور صدر اسلامی مرکز کے دعوتی لٹریچر دیے، جسے تمام لوگوں نے خوشی اور شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔
- 22 نومبر 2015 کو صدر اسلامی مرکز نے انڈیا میں یہود کے مذہبی رہنما ربائی مالیکر (Ezekiel Isaac Malekar) کے بیٹے کی شادی میں شرکت کی۔ یہاں دولہے کو بطور تحفہ تذکیر القرآن انگلش، فیملی لائف اور دوسری کتابیں دی گئیں۔ اس کے علاوہ شادی میں شریک ہونے والے لوگوں کے درمیان انگریزی ترجمۂ قرآن تقسیم کیا گیا۔
- 24-27 نومبر 2015 کو میسور میڈیکل کالج کی طرف سے میڈیکل وسوشل سائنس پر پہلی انٹرنیشنل کانفرنس سینیٹ بھون، یو ایم او، میں منعقد کی گئی۔ سنٹر فار پیس، بنگلور نے اس پروگرام میں شرکت کی اور قرآن، اسپرٹ آف اسلام کے علاوہ دوسرے دعوتی لٹریچر شرکاء کے درمیان تقسیم کیے۔
- 5-6 نومبر 2015 کو کلکتہ کے پارک گلیکسی میں فیشن — لائف اسٹائل فیسٹیوٹی کا انعقاد ہوا تھا۔ اس میں کلکتہ سی پی ایس ٹیم نے شرکت کی اور شرکاء سے انٹرایکشن کرکے ان کو دعوتی لٹریچر پیش کیا۔
- 17 نومبر 2015 کو امیریکن ایمبسی اور وویکا نندا فاؤنڈیشن کے باہمی اشتراک سے نئی دہلی میں 'کاؤنٹرنگ ایکسٹرمزم' کے موضوع پر ایک پروگرام منعقد ہوا۔ اس پروگرام میں افتتاحی خطاب کرتے ہوئے انڈیا میں امریکی سفیر مسٹر رچرڈ ورما اسلامی مرکز کے نائب صدر ڈاکٹر ثانی اثنین کا ذکر کیا، اور کہا کہ ہمارے سماج کو اس

طرح کے مزید لوگوں کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ صدر اسلامی مرکز نے ایک پینل ڈسکشن میں حصہ لیا، جس میں خطاب کے بعد سوال وجواب کا سیشن ہوا۔ لوگوں نے صدر اسلامی مرکز کی تقریر کو بہت زیادہ پسند کیا۔ دوران پروگرام تمام لوگوں کو صدر اسلامی مرکز کی کتابوں کا ایک سیٹ دیا گیا۔

پاکستان: سی پی ایس پاکستان نے کراچی انٹرنیشنل بک فیئر (2015) میں شرکت کی اور وہاں ایک اسٹال لگایا۔ بک فیئر میں آنے والے لوگوں نے صدر اسلامی مرکز کی کتابوں میں گہری دلچسپی دکھائی، خاص طور پر دی ایج آف پیس (*The Age of Peace*)، پرافٹ آف پیس (*The Prophet of Peace*) کو لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس کے علاوہ بڑی تعداد میں لوگوں کے درمیان دعوتی لٹریچر تقسیم کیا گیا۔

تقسیم کار: سی پی ایس ممبئی نے اپنی حالیہ ماہانہ میٹنگ میں ممبئی کو تین ڈویزن میں تقسیم کیا ہے ممبئی ویسٹ، ممبئی سنٹرل اور نوی ممبئی۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ آسانی کے ساتھ صدر اسلامی مرکز کی کتابیں (دی ایج آف پیس، پرافٹ آف پیس، وغیرہ) انٹلکچولس میں زیادہ سے زیادہ پہنچائی جائیں۔ لہذا تینوں گروپ کے ممبران نے الگ الگ لوگوں کے درمیان کام کرنے کی ذمہ داری لی ہے۔

تاثرات: الرسالہ مشن اب انٹرنیشنل پیمانے پر پھیل رہا ہے۔ ذیل میں ایک خط نقل کیا جارہا ہے جو فلپائن سے پروفیسر مس بلنڈا نے لکھا ہے۔ واضح ہو کہ پروفیسر موصوفہ صدر اسلامی مرکز کے مشن کو بہت پسند کرتی ہیں اور صدر اسلامی مرکز کی کئی کتابوں پر تبصرہ بھی لکھ چکی ہیں:

Dear Rajat, I am glad to let you know that I included Maulana Wahiduddin Khan in the talk I gave this morning to secondary and elementary school social studies teachers about peace education as transformative education.

I do appreciate the fact that you have sent us a lot of copies of The Age of Peace. Henry distributed them to Muslim friends he knows and they do appreciate the book a lot. One copy was also given to his former mentor in philosophy, a Christian man, and he did express his appreciation of the book, saying that he came to know more about Islam through the book

It is wonderful to fulfill the calling of working for peace through education, in line with the goals of the Center for Peace and Spirituality. (Belinda F. Espiritu, University of the Philippines)

ایجنسی الرسالہ

الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ الرسالہ (اردو) کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ الرسالہ (انگریزی) کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہنچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔ الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملّت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

1— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن 33 فی صد ہے۔ 50 پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن 40 فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ 2— زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ 3— کم تعداد والی ایجنسی کے لئے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ یا دو تین ماہ بعد اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تین مہینے تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینے میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زرتعاون الرسالہ

ہندستان کے لئے		بیرونی ممالک کے لئے (ہوائی ڈاک)
ایک سال	Rs. 200	$20
دو سال	Rs. 400	$40
تین سال	Rs. 600	$60

ہر اتوار 10.30 AM کو صدر اسلامی مرکز کی تقریر کو لائیو دیکھنے کے لیے اِن لنکس پر کلک کریں:

http:// www.ustream.tv/channel/cps-international **(For High Speed)**
http:// m.ustream.tv/channel/cps-intl-slow **(For Slow Speed)**

مزید اردو اور انگلش ویڈیو، آڈیو دیکھنے، سننے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کے لیے ان پیجز پر جائیں:

http:// www.cpsglobal.org/videos
http:// www.cpsglobal.org/podcasts

الرسالہ مشن کی مطبوعات، ماہنامہ الرسالہ (اردو، انگلش)، نیز دعوتی لٹریچر درج ذیل پتے پر دستیاب ہیں:

UTTAR PRADESH

Mehtab Ahmad
Quran Book Depot
Neza Sarai, Pahari Darwaza,
Dhampur, Bijnor, U.P. 246761,
Mob. 07599314251

Dr. M. Aslam Khan (Principal)
NMCC (IGNOU)
38 Ayodhyapuram, Mahipura,
Dehradun Road, Saharanpur, U.P.
Mob. 91- 9997153735

Muhammad Abrar
Nirala Sweet House
(Goodword Book Distributor)
Kareli, Allahabad, U.P.
Mob. 9918228299, 9889041673

BIHAR

CPG Message Forum
At+P.O. Bahadurganj, Main Road
Dist. Kishanganj. Pin-855101, Bihar
Mob. 9470272115, 9430900563

A. H. M. Danyal
(President, Centre for Peace)
Mahatwana, Phulwarisharif
Patna-601505, Bihar
Mob. 09308477841, 09852208744

Mokhtar Ahmad
Frontier Coaching
Near Urdu Government
Middle School, Gewal Bigha
Gaya, Bihar-823001
Mob. 09771878964

Kitab Manzil
Jama Masjid, Main Road, Motihari
East Champaran-845401, Bihar
Mob. 09973360552

MADHYA PRADESH

Mr. Bilaluddin
Al-Quran Mission
48, Aamwali Masjid, Jahangirabad
Bhopal (M.P.)
Mob. 09755300295, 07556542231

Shahid Khan
Yashika Books
Imami Gate Bus Stop, Imami Gate
Bhopal-462 001, M.P.
Mob: 9300908081

MAHARASHTRA

Mr Usman
Distributors: Goodword Books
71/1, Plot No. 11, Ansar Colony,
Near Maharashtra Sizing,
Malegaon, Dist. Nashik
Maharashtra -423203
Mob. 08983759678

Md. Mukhtar Ansari,
Near Kamil Ansari House,
Bhankheda, Mominpura, Nagpur (MH)
Mobile- 9371745384

JHARKHAND

Ayaz Ahmad
L4/35, Road No. 3, PO- Agrico,
Agrico Area, Jamshedpur,
Jharkhand, Pin 831009
Mob. 9199248371

KARNATAKA

Mahboob Book Depot
Opp. Russel Market,
Shivajinagar,
Bangalore-560 051
E-mail: faizan500@gmail.com
Ph. 080-22867138, 09538293903,

TAMIL NADU

Goodword Books, Chennai
324, Triplicane High Road
Triplicane, Chennai-600005
Tel. +9144-4352-4599
email: chennaigoodword@gmail.com
Mob. +91-9790853944, 9600105558

TELENGANA

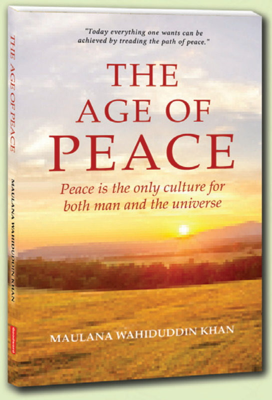
Goodword Books, Hyderabad
email: hyd.goodword@gmail.com
Tel. 04023000131, Mob. 07032641415

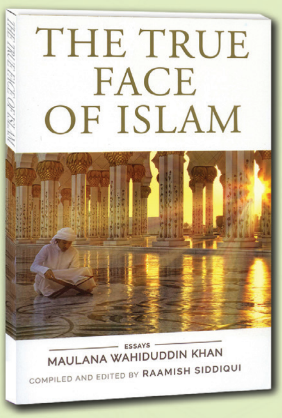
Date of Posting 10th and 11th of advance month
Published on the 1st of every month

Postal Regn. No. DL(S)-01/3130/2015-17
RNI 28822/76
Licenced to Post without Prepayment U (SE) 12/2015-17

Books on Peace and Spirituality by
Maulana Wahiduddin Khan

The purpose of this book is to re-engineer the minds of those who think in terms of violence. The book has a twofold target: first to help those who are engaged in violence realize that the present age is an age of peace. Second, the author expounds on the guiding principles that should govern the actions of those who want to establish peace in society.
Pages: 192





Islam has become synonymous with global political jihad today and Islamic spirituality is often mistaken for orthodoxy. Then how do young Muslims hold on to their faith? How do they open the door for others to appreciate the true beauty of their religion?
Pages: 222

Lucidly written and expansive in scope, this work clears up the misunderstandings that abound on the subject of Islamic teachings about peace and war. It clearly states the authentic position on these matters, which is that Islam is a completely peaceful religion.
Pages: 352

